ماہنامہ انوارِ مدینہ

جلد : ۱۴	جمادی الاولیٰ ۱۴۲۷ھ ۔ جون ۲۰۰۶ء	شمارہ : ۶

سیّد محمود میاں	سیّد مسعود میاں
مدیر اعلٰی	نائب مدیر

بدلِ اشتراک	ترسیلِ زر و رابطہ کے لیے
پاکستان فی پرچہ ۱۷ روپے.....سالانہ ۲۰۰ روپے	دفتر ماہنامہ ''انوارِ مدینہ'' جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور
سعودی عرب، متحدہ عرب امارات.....سالانہ ۵۰ ریال	فون نمبرات
بھارت، بنگلہ دیش.....سالانہ ۱۲ امریکی ڈالر	جامعہ مدنیہ جدید : 092 - 42 - 5330311
برطانیہ، افریقہ.....سالانہ ۱۴ ڈالر	خانقاہ حامدیہ : 092 - 42 - 5330310
امریکہ.....سالانہ ۱۶ ڈالر	فون/فیکس : 092 - 42 - 7703662
جامعہ مدنیہ جدید کا ای میل ایڈریس	رہائش ''بیت الحمد'' : 092 - 42 - 7726702
E-mail: jmj786_56@hotmail.com	موبائل : 092 - 333 - 4249301

مولانا سیّد رشید میاں صاحب طابع وناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ ''انوارِ مدینہ'' نزد جامعہ مدنیہ کریم پارک راوی روڈ لاہور سے شائع کیا

اس شمارے میں

حرفِ آغاز		۳
درسِ حدیث	حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ	۵
یزید کے متعلق سوالات اور.....	حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحبؒ	۱۱
حضرت فاطمہؓ کے مناقب	حضرت علامہ سیّد احمد حسن سنبھلی چشتیؒ	۲۸
توہینِ رسالت ﷺ اور.....	حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب	۳۲
عورتوں کے عیوب اور اَمراض	حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانویؒ	۴۶
نبوی لیل ونہار	حضرت مولانا سعد حسن صاحبؒ	۴۹
اصلاحِ نیت اور دین کی دعوت	حضرت مولانا سید محمود حسن حسنی صاحب ندوی	۵۰
گلدستۂ احادیث	حضرت مولانا نعیم الدین صاحب	۵۳
غازی عامر چیمہ شہیدؒ	محمد آصف جالندھری	۵۵
سفرنامہ ''اسیرِ مالٹاؒ کانفرنس''	محمد سلطان معاویہ	۶۰
دینی مسائل		۶۱
اخبار الجامعہ		۶۳

آپ کی مدتِ خریداری ماہ.....ختم ہوگئی ہے آئندہ رسالہ جاری رکھنے کے لیے مبلغ.....روپے جلد اِرسال فرمائیں۔(ادارہ)

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ اَمَّابَعْدُ !

اِنَّ الَّذِیْنَ یُحِبُّوْنَ اَنْ تَشِیْعَ الْفَاحِشَۃُ فِی الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ (سورہ نور آیت ۱۹)

۱۷/اپریل کے روز نامہ نوائے وقت میں شائع ہونے والی خبر ملاحظہ فرمائیں : ''اولیول (مساوی میٹرک) کے نئے نصاب میں شرمناک اور واہیات مواد والی کتاب شامل، ''پاکستان کی کہانیاں'' نامی اس کتاب میں گالیاں، سالی سے عشق اور بے حیائی پر مبنی دوسرے فقرے ہیں۔ حرام زادہ، اُلو کا پٹھا، کتا، کنجر کے الفاظ شامل ہیں۔ ایک مضمون سہاگ رات پر ہے۔ کتاب کے صفحہ 169 اور 170 پر منگ نامی کہانی میں ایک ایسی لڑکی کی کہانی لکھی گئی ہے جو اپنی شادی کو گڑیا کی شادی اور اپنے خاوند کو باپ یا بھائی تصور کرتی ہے۔ اس کتاب کو ''گریزن اکیڈمیز'' میں پڑھایا جارہا ہے۔ کتاب کو اُردو بازار لاہور کے ایک معروف پبلیشنگ ہاؤس نے شائع کیا ہے جو کیمرج یونیورسٹی کے نظر ثانی شدہ نصاب کے مطابق ہے''۔

دوسری خبر جو ۱۲/مئی کے نوائے وقت میں شائع ہوئی اِس طرح ہے ''نصابی کتب میں قرآنی آیات کا مذاق اور فرشتوں کی تصاویر، جہنم اور جنت کو تصویری شکل میں دکھایا گیا ہے۔''

عرصۂ دراز سے یہ بات سننے میں آرہی تھی کہ آغا خانی اور قادیانی طبقہ اندرون خانہ اِس کوشش میں لگا ہوا

ہے کہ آزادی کے نام پر ملک میں فحاشی اور عریانی کو فروغ ملے۔ یہ طبقہ کافی حد تک اپنی اِس ناپاک کوشش میں کامیاب بھی رہا ہے۔ ملک میں سرکاری سرپرستی میں فحاشی اور عریانی کو رواج دیا جارہا ہے مگر اِس سب کچھ کے باوجود قوم کے کچھ افراد اور خاندان اپنی دینی اور روایتی وابستگی کو ترجیح دیتے ہوئے اِس مرض سے محفوظ رہے اور نام نہاد آزادی کے نعرہ کا جادو اُن پر نہ چل سکا۔

اب معلوم ہوتا ہے کہ یہ بے حیا طبقہ تعلیم کی راہ سے حملہ آور ہوا ہے تاکہ رہی سہی باقیات بھی اِس کی لپیٹ میں آکر اِن کو مکمل کامیابی سے ہمکنار کردے۔ ظاہر ہے جب گاؤں، گوٹھوں، قصبات اور شہروں کے اسکولوں میں زیرِ تعلیم کروڑوں بچوں کے معصوم ذہنوں کو تعلیم کے مقدس نام پر ملحد اور بے حیا بنادیا جائے گا اور ایک پوری کی پوری نسل فحاشی کی کوکھ سے جنم لے گی تو آنے والی نسل بغیر محنت ومشقت کے وہی نتائج فراہم کرے گی جو اِس انسان دشمن طبقہ کو مطلوب ہیں۔ انسانیت اور اسلام دُشمن طبقہ کو اِس وقت کے فوجی حکمران پرویز مشرف کی مکمل آشیر باد حاصل ہے جو اِن کو شہ دیتے ہیں کہ مختصر وقت میں جتنا بھی آگے بڑھ سکتے ہیں بڑھ جائیں۔ اِس اندھے اور کفریہ طوفان کے مقابل تاحال ملک میں کسی مؤثر ردِعمل کا نہ ہونا بجائے خود ایک بہت بڑا اَلمیہ ہے۔ باری تعالیٰ کا اِرشاد ہے :''جو لوگ چاہتے ہیں کہ پھیلے بدکاری ایمان والوں میں اُن کے لیے عذاب ہے دردناک دُنیا اور آخرت میں، اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔'' (سورہ نور آیت ۱۹)

ہر مسلمان بالخصوص مذہبی وسیاسی جماعتوں کو اِس کے خلاف فوری طور پر بھرپور مزاحمت کرنی چاہیے تاکہ انسانیت کی فلاح اور اسلام کی سربلندی کے ساتھ ساتھ آخرت کی جواب طلبی سے بچا جاسکے۔ ہم یہ بھی اُمید کرتے ہیں کہ سپریم کورٹ آف پاکستان ملک کی نظریاتی اور مذہبی تشخص کی اہمیت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے از خود اِس پر کارروائی کرکے اپنے فرضِ منصبی کو ادا کرے گی۔

اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو حق سمجھنے اور اُس پر عمل کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

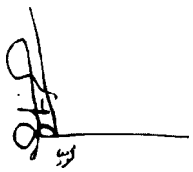

مولای صل وسلم دائما ابدا — **درس حدیث** — علی حبیبک خیر الخلق کلهم

حضرت اقدس پیرو مرشد مولانا سید حامد میاں صاحبؒ کے مجلسِ ذکر کے بعد درسِ حدیث کا سلسلہ وار بیان ''خانقاہِ حامدیہ چشتیہ'' رائیونڈ روڈ لاہور کے زیرِ انتظام ماہنامہ ''انوارِ مدینہ'' کے ذریعہ ہر ماہ حضرت اقدسؒ کے مریدین اور عام مسلمانوں تک باقاعدہ پہنچایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حضرت اقدسؒ کے اِس فیض کو تاقیامت جاری و مقبول فرمائے۔(آمین)

امام ابوحنیفہؒ کی پسندیدہ قراءت۔حضرت سعدؓ میں شان صدیقیت
فقہ حنفی کی بنیاد حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ اور حضرت ابن مسعودؓ
شیطان کا انسانی شکل اختیار کرنا۔اپنی نہیں دوسرے کی تعریف

﴿ تخریج و تزئین : مولانا سیّد محمود میاں صاحب ﴾

کیسٹ نمبر ۵۰ سائیڈ اے (۱۹۸۵۔۸۔۲)

الحمد للّٰہ رب العالمین و الصلٰوۃ و السلام علی خیر خلقہ سیّدنا و مولانا محمد و آلہٖ واصحابہٖ اجمعین امابعد !

آقائے نامدار ﷺ کے کچھ صحابہ کرامؓ کا ذکر ہوا تھا اُس کے ذیل میں یہ تذکرہ آیا تھا کہ صحابی نے کوفہ کی تعریف کی کہ وہاں فلاں اور فلاں اور فلاں حضرات ہیں۔تو اُن میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام خاص طور پر اِس لیے آیا کہ اُن کے شاگردوں نے وہاں اِن سے علم سیکھا اور آگے سکھایا۔اور کوفہ کے بارے میں یہ تعارف بھی آیا کہ وہاں صحابہ کرامؓ کی بہت بڑی تعداد سکونت پذیر ہوگئی تھی پندرہ سو صحابہ۔یعنی مدینہ منورہ کے بعد صحابہ کرام کی اتنی بڑی تعداد کسی جگہ یکجا طور پر پائی جا رہی ہو ایسے نہیں ہوا۔اِس میں کوفہ پوری دُنیا میں منفرد ہے۔ عراق ہی کا ایک حصہ ہے کوفہ کے قریب کچھ فاصلہ پر " قَرْقِیْسِیَۃُ " وہاں چھ سو صحابہ کرام رہتے تھے۔اِدھر پندرہ سو صحابہ کرام وہ ہیں جنہوں نے وطن بنالیا کوفہ کو باقی جو اور آئے اور تشریف لے گئے اُن کی تعداد اِس کے سوا

ہے۔ میں نے بتایا تھا کہ علم قراءت میں بھی یہی حال ہے کوفہ کا، علم حدیث میں بھی یہی حال ہے۔

امام بخاریؒ اور کوفہ :

امام بخاریؒ کہتے ہیں لَا اُحْصِیْ مَا دَخَلْتُ الْکُوْفَۃَ میں یہ نہیں شمار کرسکتا کہ میں کوفہ کتنی دفعہ گیا ہوں حدیثیں لینے کے لیے۔ تو وہاں سے جو فقہی مسلک چلا ہے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا وہ بھی سب سے زیادہ بڑا، ساری دُنیا میں وہی پھیلا۔

امام اعظمؒ کی اخذ کردہ قراءت :

جو قراءت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے لی وہ قراءتِ حفصؒ ہے۔ یہ قراءت ساری دُنیا کی ہے۔ ہر جگہ سے جہاں بھی سنیں آپ یہی سننے میں آئے گی۔ تو یہ روایتِ حفصؒ ہے، یہ بھی کوفہ ہی کی ہے۔

قراءتِ متواترہ اور کوفہ :

تو قاریوں میں سبعہ (سات) ہیں۔ اُن میں تین کوفہ کے ہیں اور قراءتِ عشرہ میں چار صرف کوفہ کے بن جاتے ہیں۔ تو یہ شرف دُنیا میں کسی شہر کو حاصل نہیں ہے بلکہ بعض ملکوں کو بھی حاصل نہیں ہے۔ ملکِ مصر میں تین سو صحابہ کرام تشریف لے گئے ہیں حالانکہ وہ ملک ہے اور یہ ایک شہر ہے۔ اس لحاظ سے اگر دیکھا جائے کوفہ کا علمی مقام تو وہ بہت بلند بن جاتا ہے۔

فقہ حنفی کی بنیاد :

اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فقہ کی بنیاد جن لوگوں پر رکھی ہے وہ تین حضرات زیادہ ہوئے ہیں۔ حضرت عبداللہ ابن مسعود، حضرت عمر فاروق، حضرت علی کرم اللہ وجہہ ورضی اللہ عنہم۔ یہ حضرات بنتے ہیں تین۔ اِن پر مدار ہے فقہ حنفی کا۔ اِنہوں نے جو کیا جو بتلایا جو روایت سنائی اُس کو مقدم رکھا گیا اور اِس طرح سے روایات اُن کے پاس سب قسم کی جمع ہیں تو کوفہ میں جس نے علم حاصل کیا ہے اُس میں علمی تشنگی نہیں تھی جس طرح وہ سیراب ہوا ہے کسی اور جگہ جانے والے اِس طرح سیراب نہیں ہوئے۔ مثلاً امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ، اِن کا یہ علم کوفی ہی ہے سارا۔ اِن کے شاگرد ہیں امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ اِن کا سارا علم کوفی ہی ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ جو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بھی شاگرد ہیں امام ابو یوسفؒ سے بھی کچھ پڑھا ہے اِنہوں نے، اِن کے بھی شاگرد ہیں اُن کا علم

بھی کوفی ہی ہے سوائے اِس کے مدینہ منورہ وہ گئے ہیں، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے حدیثیں سنی ہیں لکھی ہیں۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ بھی اِن کے اساتذہ میں بنتے ہیں باقی جگہوں پر طلبِ علم کے لیے جانا ایسا نہیں ثابت ہو رہا۔

امام شافعیؒ کے قولِ قدیم اور قولِ جدید کی وجہ :

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا درجہ بہت بلند ہے۔ مکہ مکرمہ میں پیدا ہوئے پھر گئے اُدھر مدینہ منورہ۔ وہاں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھا پھر کوفہ گئے پھر وہاں سے ہوتے ہوئے بغداد آئے۔ بغداد جب آئے ہیں تو اُن کے شاگرد مستقل حیثیت اختیار کر چکے تھے گویا اجتہاد کا درجہ اُنہیں حاصل ہو گیا تھا اور اُن کے اقوال اُن کے فتوے نقل کیے جاتے تھے وہ امام کی حیثیت سے سامنے آئے کیونکہ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اِن سے (امام شافعیؒ سے) پڑھا ہے۔ گویا اب وہ بغداد کے سب سے بڑے عالم شمار ہونے لگے لیکن پھر یہاں سے وہ تشریف لے گئے مصر۔ جب مصر گئے ہیں تو وہاں جانے کے بعد دُوسرے علماء سے ملاقات ہوئی تبادلہ خیال ہوا تو انہوں نے تمام مسائل پر نظرِ ثانی کی اور اُن کی کتابوں میں قولِ قدیم اور قولِ جدید دو ملتے ہیں تو قول قدیم تو وہ ہے جو یہاں بغداد وغیرہ رہتے تھے مصر جانے سے پہلے یہ قولِ قدیم ہے۔ مصر جانے کے بعد یہ قولِ جدید ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے خاص مقام عطا فرمایا کوفہ کو اور بلند درجہ عطا فرمایا۔ تو اِس حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ دیکھو تمہارے پاس ابن مسعودؓ ہیں، سعد ابن مالکؓ بھی ہیں یعنی حضرت سعد ابن ابی وقاصؓ جن کے بارے میں میں نے پہلے روایتیں سنائیں، رسول اللہ ﷺ نے اِن کو دُعا دی۔

حضرت سعدؓ اور شانِ صدیقیت ..... صدیقیت کا مطلب :

اور اِن میں ایک چیز پائی جاتی تھی ''صدیقیت'' کی بھی اور ''صدیقیت'' کا مطلب یوں سمجھنا چاہیے کہ جو نبی فرمائے اُس کو اِس کی طبیعت مان لے۔ طبیعت کو ماننے میں قبول کرنے میں دیر بالکل نہ لگے بس وہ صدیق ہے۔ اور یوں سمجھ لیجئے اِس سے بھی بڑی چیز طبیعت کی مناسبت کی ہوتی ہے کہ جو بات اللہ کی طرف سے نبی پر نازل ہو رہی ہے وہ اُس کی طبیعت لیتی چلی جائے خود بخود۔ تو ایسی بات بھی پائی جاتی تھی۔ جب مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اب یہ علاقہ یوں سمجھئے کہ آزاد علاقہ تھا جیسے آزاد قبائل کا علاقہ، سرداری کا جیسے رواج ہو۔ وہاں پر رات کو چلنا پھرنا یہ خطرے سے خالی نہیں تھا۔ اگر کوئی حملہ کرے کسی کو مار دے اچانک تو پتا چلنا ہی مشکل تھا کون مار گیا کس کو مار گیا۔ دیواریں بھی کوئی ایسی نہیں تھیں حفاظتی انتظام بھی کوئی ایسا نہیں تھا۔

مثال سے وضاحت :

تو ایک دفعہ جناب رسول اللہ ﷺ کو خطرہ سا محسوس ہوا اور اُس شب میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ساتھ تھیں۔ اِس کا مطلب ہے کہ دوسرے ہجری سال کی کم از کم یہ بات ہے، ہوسکتا ہے تیسرے سال کی بات ہو۔ تو رسول اللہ ﷺ کو نیند نہیں آئی۔ بے چینی رہی اور خطرہ محسوس ہوتا رہا تو خطرہ کی بات یہی ہے کہ مدینہ منورہ کی آبادی سے ہٹ کر کنارہ پر رسول اللہ ﷺ نے مسجد بنائی رہائش پسند فرمائی۔ اب کوئی ایسی دیواریں یا قلعہ نما کوئی چیز تو تھی نہیں، مکانات کی چھوٹی چھوٹی دیواریں تھیں، مسجد جو تھی وہ بھی چھوٹی سی تھی، نیچی چھت تھی تو کوئی محفوظ چیز نہیں تھی ایسی۔ اور پہرے کا بھی کوئی انتظام نہیں تھا۔ تو اب تھوڑی دیر بعد آپ ﷺ نے ہتھیاروں کی آواز سنی۔ اُس زمانے کے ہتھیار جب پہن کر کوئی چلتا تھا تو وہ آپس میں ٹکراتے تھے اور آواز پیدا ہوتی تھی۔ ایسی آواز محسوس ہوئی تو دریافت فرمایا آپ نے کہ کون ہے؟ تو باہر سے جواب دیا اُس آدمی نے کہ میں ہوں سعد یعنی سعد ابن ابی وقاصؓ۔ کیسے آئے ہو؟ کہنے لگے کہ مجھے جناب کے بارے میں (سکیورٹی کے حوالہ سے) خطرہ محسوس ہوا۔ تو بس اِس لیے میں ہتھیار پہن کر پہرہ دینے آ گیا اور یہاں باہر پہرہ دے رہا ہوں۔ اب یہ بات وہ ہے جو جناب رسول اللہ ﷺ کے ذہن مبارک میں آ رہی تھی۔ اِن کے ذہن میں بھی وہ بات اُس وقت آئی تو ایک طرح اِن میں شان پائی جا رہی ہے صدیقیت کی۔ تو جیسی دُعا رسول اللہ ﷺ نے اِن کو دی تھی، ایسی دُعا صرف ایسے ہی آدمی کو دی جا سکتی ہے جس میں یہ وصف پایا جا رہا ہو اور اُس کا تعلق خدا کے ساتھ اتنا قوی ہو اور خدا کی نظر رحمت اُس پر اتنی زیادہ ہو۔ اور آپ نے ان کو یہ دُعا دی تھی کہ جب بھی یہ دُعا کریں اللہ تعالیٰ اِن کی دُعا قبول فرما۔ اب آدمی اگر صحیح استعمال نہ کرے اِس چیز کا تو یہ بھی ہوسکتا ہے مگر اس سے پھر اُسے ہی نقصان ہوگا اور اِس واقعہ سے مجھے یہ محسوس ہوا کہ جیسے اِن میں صدیقیت کی ایک شان پائی جاتی ہو۔

شیطان کا انسانی صورت میں ظاہر ہونا اور حضرت یمانؓ کی شہادت :

آقائے نامدار ﷺ کے ایک صحابی تھے حضرت حذیفہؓ اِن کا اسم گرامی تھا اِن کے والد حضرت یمانؓ اُحد کے میدان میں شہید ہو گئے اور وہ دھوکہ سے شہید ہوئے ہیں۔ اُس زمانے میں اسلام کو نقصان پہنچانے کے لیے اگر شیطان کو متشکل (انسانی یا حیوانی شکل وصورت میں ظاہر) ہو کر سامنے آنا پڑا تو ایسے بھی ہوا، ورنہ شیطان خفیہ کارروائی کر سکتا ہے متشکل نہیں ہوسکتا۔ لیکن اُسے پوری قوت لگانی تھی کہ اسلام نہ پھیلنے پائے نہ بڑھنے پائے، تو اِس

واسطہ متشکل ہوا۔ جناب رسول اللہ ﷺ کے بارے میں مشورہ دیا ہے اُس نے تو وہ متشکل ہو کر پہنچا ہے ابوجہل وغیرہ کے پاس میٹنگ میں۔ اِسی طرح بدر کے میدان میں بھی آتا ہے متشکل ہو کر آنا اور اُس میں تھوڑی دیر بعد جب ملائکہ کو دیکھا تو اُس نے کہا نہیں میں ساتھ نہیں رہ سکتا۔ میں بَری ہوں اور بھاگ گیا، یہ دسویں پارے کے شروع میں دوسرے رکوع میں آتا ہے اور اِس کے بعد اِس موقع پر بھی آتا ہے اِس کا متشکل ہونا تو کہیں کہیں ایسے ہوتا رہا ہے۔ تو اُحد کے میدان میں اُس نے یہ کہا کہ دیکھو تمہارے پیچھے کون ہے تو مسلمان یہ سمجھے کہ ہمارے پیچھے کوئی دشمن ہے تو انہوں نے بغیر دیکھے ہوئے تلوار سے وار کیا اور حضرت حذیفہؓ نے پیچھا دیکھا تو انہوں نے کہا یہ تو میرے والد ہیں یمان، لیکن تلوار سے وہ وار کر چکے تھے اِن کے چوٹ لگ چکی تھی اور وہ شہید ہو گئے۔ تو پھر انہوں نے ان صحابہ کو جن کے ہاتھ سے وہ شہید ہوئے تھے کہا یَغْفِرُ اللّٰہُ لَکُمْ اللہ تمہیں معاف فرمادے۔ بہرحال قتل نادانستگی میں ہوا ہے اور جو آواز تھی وہ صحیح تھی سنی گئی آواز۔ اُس آواز کی وجہ سے ہوا، آواز دینے والا غائب تھا۔

اور حضرت حذیفہؓ رسول اللہ ﷺ سے کچھ نہ کچھ دریافت بھی کرتے رہتے تھے کہ جناب کے بعد پھر اگلے دور میں کیا کیا چیزیں پیش آنے والی ہیں جو فتنوں کی ہوں گی اور جن سے بچنا چاہیے۔ تو حضرت حذیفہؓ کو بہت ساری باتیں جناب رسول اللہ ﷺ یا تو اِسی وجہ سے کہ یہ قصہ پیش آچکا تھا شفقت فرماتے ہوئے بتلا دیتے تھے لیکن اہلیت ہونی بھی تھی تو ضروری ہے کہ وہ آگے راز کی چیزوں کو راز ہی رکھیں ظاہر نہ فرمائیں، وہ اہلیت بھی تھی۔ چنانچہ یہ کہلاتے ہیں " صَاحِبُ سِرِّ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ " رسول اللہ ﷺ کے رازدار۔ یہ بھی وہاں کوفہ میں تھے۔

کوفہ اور حضرت سلمانؓ :

اور فرمایا سلمان " صَاحِبُ الْکِتَابَیْنِ یَعْنِی الْاِنْجِیْلَ وَالْفُرْقَانَ " سلمان فارسی تمہارے پاس ہیں جو دو کتابوں والے ہیں یعنی انجیل والے بھی قرآن پاک والے بھی۔ اِنہوں نے جب انجیل پر ایمان رکھا وہ بھی صحیح ایمان تھا اور جب اِنہوں نے دیکھا اُس کے متعلق علامات اور رسول اللہ ﷺ کا ظہور تو اسلام قبول کر لیا تو وہ انجیل اور قرآن والے ہیں۔ تو حضرت ابوہریرہؓ نے اُن صاحب سے فرمایا تمہیں یہ فضیلت حاصل ہے کہ تمہارے پاس یہ یہ لوگ ہیں۔ اُنہوں نے آگے کیا جواب دیا کیا نہیں اُس کا ذکر یہاں نہیں ہے۔ بس ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے اِن حضرات کی فضیلت کا جو حصہ تھا وہ انہوں نے بیان فرمایا کہ تمہارے پاس بہت حضرات ہیں جن سے

بہت معلومات تم حاصل کر سکتے ہو۔ جتنی یہاں مجھ سے حاصل کر سکتے ہو اُس سے زیادہ حاصل کر سکتے ہو۔ یہ اُنہوں نے فضیلت میں بیان فرمایا۔

اپنی نہیں دُوسرے کی تعریف :

تو ایک دوسرے کی تعریف وہ کیا کرتے تھے اور ایک دوسرے کی تعریف تواضع کی علامت ہے۔ اس میں یہ بھی سبق ملتا ہے کہ دوسرے کی تعریف کی جائے نہ یہ کہ دوسرے پر تنقید کی جائے اور اپنی تعریف کی جائے۔ اگر کوئی ایسے کرتا ہے تو بالکل غلط ہے۔ بس وہ اِسی میں پھنسا رہے گا، دوسرے پر تنقید اپنی تعریف۔ تو صحابہ میں یہ نہیں ہے بلکہ یہ ہے کہ دوسروں کی تعریف کی ہے اور اپنے بارے میں یہ کہ میں تو کچھ بھی نہیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آخرت میں اِن حضرات کا ساتھ نصیب فرمائے۔ آمین۔ اختتامی دُعا.....

سلسلہ نمبر ۲۳ قسط : ۲ ، آخری

''الحامد ٹرسٹ'' نزد جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ لاہور کی جانب سے شیخ المشائخ محدثِ کبیر حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعض اہم خطوط اور مضامین کو سلسلہ وار شائع کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے جو تا حال طبع نہیں ہو سکے جبکہ ان کی نوع بنوع خصوصیات اس بات کی متقاضی ہیں کہ افادۂ عام کی خاطر اِن کو شائع کر دیا جائے۔ اسی سلسلہ میں بعض وہ مضامین بھی شائع کیے جائیں گے جو بعض جرائد و اخبارات میں مختلف مواقع پر شائع ہو چکے ہیں تا کہ ایک ہی لڑی میں تمام مضامین مرتب و یکجا محفوظ ہو جائیں۔ (ادارہ)

یزید کے متعلق سوالات اور اُن کے جوابات

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی جانب سے اس استفتاء کے جوابات گزشتہ شمارہ میں شائع ہو چکے ہیں اسی سلسلہ کے کچھ ضمیمے دوسری قسط کے طور پر اِس شمارہ میں شائع کیے جا رہے ہیں نیز سائل کی جانب سے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اِرسال کردہ جواب بھی شروع میں لگایا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

الجواب

امیر یزیدؒ مومن تھے اور از روئے حدیث بخاری شریف مَغْفُوْرٌ لَّھُمْ میں اخل ہیں اِن کو کافر کہنا اور لعن طعن کرنا ہرگز جائز نہیں۔ کسی مسلمان کو بلا دلیل شرعی کافر کہنے سے کہنے والے پر کفر لوٹتا ہے اِس سے سخت احتیاط کرنی چاہیے۔ ایسے نظریات رکھنے والے امام کے پیچھے بلاشبہ نماز جائز ہے۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

احقر العباد محمد صابر غفرلہٗ

نائب مفتی دارالعلوم کراچی نمبر 1 نانک واڑہ ۱۴ محرم ۸۵ھ

الجواب صحیح مفتی محمد شفیع عفی اللہ عنہ ۱۵ محرم ۸۵ھ

الجواب

امیر یزید علیہ الرحمۃ کے متعلق علاوہ تاریخی حوالجات کے صحیح بخاری کی حدیث مذکور در سوال بین طور پر یزید کی طہارت اور مغفرت پر دال ہے۔ پس مسلمانوں کو کب لازم ہے کہ رسول اللہ ﷺ تو مغفور فرمائیں اور ہم یزید کو مقہور و مغضوب علیہ قرار دیں۔ بلکہ حدیث میں آیا ہے کہ کسی مسلمان کو کافر کہنے والا خود کافر ہو جاتا ہے جبکہ اُس میں کفر کی وجہ نہ ہو۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ رسول اللہ ﷺ تو پیشگوئی میں اِس کو مغفور فرمائیں یہ کافر، فاسق و فاجر کہنے والا خود اس کا مستحق بن رہا ہے، ایسے خیال و نظریات بابت یزید علیہ الرحمۃ رکھنے والے کے پیچھے نماز کی ممانعت کہاں؟ واللہ اعلم بالصواب۔ (مفتیانِ بالا کی رائے صحیح ہے)

ابوالفضل عبدالحنان ۳۱ اگست ۱۹۶۵ء

مولانا محمد یوسف خان مفتی پاکستان کراچی (کلکتہ والے)

محترم مفتی صاحب السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

اِس استفتاء کا جواب حضرت مفتی محمد شفیعؒ نے یہ دیا تھا اِس سلسلے میں آپ کا کیا فتوی ہے؟ شکریہ۔

عرفان عثمان

553-R بلاک نمبر 9 دستگیر سوسائٹی

گلستانِ مصطفیٰؐ (ایف بی ایریا) کراچی نمبر 38

(الجواب)

حضرت مفتی محمد شفیع صاحب مرحوم کے تصدیق کردہ فتوے سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ یزید کو کافر نہ کہنا چاہیے۔ اس میں کوئی حرج نہیں، باقی جوابات کے لیے مضمون ملاحظہ ہو۔

آپ کے سوالات کے جوابات زیادہ جگہ چاہتے تھے اس لیے میں نے مختلف ضمیمے شامل کر کے مکمل کیے۔ واللہ اعلم

(حامد میاں غفرلہٗ) ۳ اگست ۸۴ ء

ضمیمہ نمبر ۱ ..... یزید اور شراب

یہ جاننا ضروری ہے کہ اہل عرب کھجور کا طرح طرح استعمال کرتے تھے۔ ایک طریقہ مشروب کا یہ تھا کہ کھجوریں پانی میں بھگو دیتے تھے۔ اور یہ پانی پیتے تھے، اِسے ''نَبِیْذْ'' کہا جاتا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ صبح کو بھگوتے تھے تو شام کو یہ پانی استعمال فرما لیتے تھے اور شام کو بھگوتے تھے تو صبح کو استعمال فرما لیتے تھے۔ لیکن کبھی کبھی آپ نے اِس سے زیادہ وقت کی بھیگی ہوئی نبیذ بھی استعمال فرمائی ہے۔ یہ اہل عرب کی غذاء کا ایک حصہ تھا اب میں سہل الحصول حوالوں سے اگلی باتیں عرض کرنی چاہتا ہوں۔

جناب رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں حسبِ عادت نبیذِ شدید (تیز نبیذ) بھی برابر استعمال کی جاتی رہی ہے۔ چنانچہ ایک دفعہ جناب رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں تیز نبیذ لائی گئی۔ آپ نے اِس کی تیزی کی وجہ سے ایک دم ناک ہٹالی۔ پھر اِس میں پانی ملوایا پھر استعمال فرمائی۔ اور طحاوی شریف کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض علاقوں کے لوگ نبیذِ شدید ہی پیا کرتے تھے۔ سیدنا فاروق اعظم بھی نبیذ شدید استعمال فرمایا کرتے تھے، حضرت ابن عمر بھی اور حضرت علی بھی (رضی اللہ عنہم)۔

اب یہ بھی عرض کرتا جاؤں کہ نبیذِ شدید نشہ بھی کر دیتی ہے۔ مثلاً جو شخص ہلکی نبیذ پینے کا عادی ہو وہ اگر تیز نبیذ پی لے گا تو نشہ ہو جائے گا۔ چنانچہ ایک شخص نے حضرت عمرؓ کے برتن سے نبیذ پی لی اُسے نشہ ہو گیا تو حضرت عمرؓ نے اُسے حد لگا دی۔ وہ کہتا رہا کہ امیر المؤمنین میں نے تو آپ کے برتن میں سے پی ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ میں نشہ پر حد لگا رہا ہوں یعنی اِس کی تیزی تو زبان کو معلوم ہو گئی ہو گی تو احتیاط کرنی چاہیے تھی، اتنی نہ پیتے کہ نشہ ہو۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کچھ لوگوں کی دعوت کی۔ کھانے کے بعد انہیں نبیذ پلائی، اُن میں سے ایک شخص کو نشہ ہو گیا تو اُسے حد لگا دی وہ کہنے لگا کہ آپ بلاتے بھی ہیں کھلاتے بھی ہیں، پلاتے بھی ہیں اور حد بھی لگاتے ہیں۔

ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے دعوت کی، اگلے دن اُن مدعوین میں سے ایک صاحب کہنے لگے کہ نبیذ کی وجہ سے مجھے رستہ صحیح طرح نہیں سمجھ میں آ رہا تھا مَا کِدْتُّ اَھْتَدِی الطَّرِیْقَ . ملاحظہ ہو الکوکب الدری ص ۱۲ و ص ۱۳ ج ۲ مع حواشی۔ اور ایسی بہت سی روایات طحاوی شریف کے آخری حصہ میں ہیں۔ اُنہوں نے کافی روایات لکھی ہیں اور بہت مبسوط بحث فرمائی ہے۔ (دیکھیں طحاوی باب ما یحرم من النبیذ ص ۲۷۰ ج ۲)

اب یوں سمجھئے کہ چونکہ نبیذ اُن کے لازمی مشروبات میں سے تھی جیسے آج کے دور میں چائے ہے اور یہی ذراسی بے احتیاطی سے نشہ کا باعث بن جاتی تھی۔ اس لیے دورِ صحابۂ کرام میں اور بعد کے دور میں نشہ کے واقعات پیش آتے رہے۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور سے زیادہ مضبوط دور کس کا ہوسکتا ہے۔ اُن کے زمانہ میں ایسے طرح طرح کے واقعات پیش آتے رہے بلکہ بکثرت ایسے واقعات ہونے لگے تو حضرت عمرؓ نے صحابۂ کرام سے مشورہ کیا پھر اُسی کوڑے سزا مقرر کردی۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں : ثُمَّ تَتَابَعَ النَّاسُ فِی الْخَمْرِ فَاسْتَشَارَ فَضَرَبَ ثَمَانِیْنَ (مختصر المزنی ص ۲۶۶) لیکن اِس کے بعد بھی ایسے واقعات ہوتے رہے، مثلاً بخاری شریف میں باب صوم الصبیان میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو رمضان میں نشہ کی حالت میں دیکھا تو فرمایا :

وَیْلَكَ وَصِبْیَانُنَا صِیَامٌ فَضَرَبَهٗ. (بخاری شریف ص ۲۶۳ ج۱)

''تیرا ناس ہو! یہاں تو یہ حالت ہے کہ ہمارے بچے (بھی) روزہ سے ہیں پھر اُسے حد لگادی''۔

حاشیہ میں ہے کہ اُسی کوڑے لگائے اور اُسے شام بھیج دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بہنوئی حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ جو اہل بدر میں سے تھے اُن پر بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے شراب کی حد لگائی۔ یہ اُن کے دورِ خلافت کے آخری حصہ کا واقعہ ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے، اُسد الغابہ ص ۱۹۸ ج۴)

حتی کہ خود اُن کے اپنے گھر میں ایسا واقعہ پیش آیا کہ اُنہوں نے اِس پر یہ فرمایا :

وَجَدْتُّ مِنْ عُبَیْدِ اللّٰهِ رِیْحَ شَرَابٍ وَاَنَا سَائِلٌ عَنْهُ فَاِنْ كَانَ یَسْكَرُ جَلَدْتُّهٗ.

(بخاری ص ۸۳۸ ج۲)

''میں نے عبید اللہ (اپنے بیٹے) سے شراب کی بو پائی ہے اور میں اُس کے بارے میں معلومات کر رہا ہوں تو اگر وہ نشہ کی حد تک پیتا ہوگا تو میں اُس کے کوڑے لگاؤں گا''

اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حمص میں تھے۔ وہاں ایک شرابی نے جب بات کی تو پتہ چلا کہ یہ

شراب پیئے ہوئے ہے۔ تو اُنہوں نے اُس پر شراب کی حد جاری کر دی۔ (بخاری شریف ص ۷۴۸ ج ۲)

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک صحابی حضرت ولید رضی اللہ عنہ کے نشے کا واقعہ پیش آیا جس پر اہل مدینہ میں بھی بہت بے چینی پائی گئی۔ جلد باز لوگوں نے باتیں بھی بنائیں کیونکہ یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ماں شریک بھائی تھے، فتح مکہ کے موقع پر مسلمان ہوئے تھے۔ نشہ کے قصہ کے وقت گورنر کوفہ تھے۔ آخر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے اہل مدینہ نے اِن کے بھانجے کے ذریعہ اپنے اضطراب کا اظہار کیا۔ آپؓ نے فرمایا :

فَسَنَأْخُذُ فِيْهِ بِالْحَقِّ اِنْشَآءَ اللّٰهُ. (بخاری ص ۵۲۲ و ص ۵۴۷ ج ۱)

''عنقریب اُن کے بارے میں ہم حق فیصلہ اختیار کریں گے۔''

اِن واقعات کے ذکر کرنے کا منشاء یہ ہے کہ نبیذ کی وجہ سے نشہ اور اُس پر حد کے واقعات جب حضرت عمرؓ جیسے خلیفہ کے پاک اور مضبوط ترین دور میں اُن کے گھر میں اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفۂ راشد کے پاک دور میں پیش آ گئے تو نہ تو یزید خلیفۂ عادل و راشد تھا نہ صحابی نہ وہ حضرت قدامہ رضی اللہ عنہ کے برابر تھا نہ حضرت ولید رضی اللہ عنہ کے۔ وہ تابعی تھا، بڑے خاندان کا فرد تھا اور اُس کے بارے میں بہت سے لوگوں کی رائے اُس کے والد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حیات میں بھی اچھی نہ تھی۔ جب وہ سربراہِ مملکت بنا تو مطلق العنان ہوتا چلا گیا لہٰذا اُس کے شربِ خمر میں کیا استبعاد ہے۔ حضرت محمد بن حنفیہ حضرت عبداللہ بن حنظلہ سے چھوٹے ہیں اور صحابی نہیں ہیں۔ ابن حنظلہ رضی اللہ عنہ صحابی ہیں اور یزید کے پاس بعد میں گئے ہیں۔ اِن کی بات کو ہی اہل مدینہ نے ترجیح بھی دی ہے۔

مدینہ اور اہلِ شام :

اہل مدینہ کا عمل اور تقویٰ اہل شام سے بہت بڑھا ہوا تھا۔ ان کی عملی حالت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے دور تک اتنی اچھی رہی ہے کہ امام مالک اہل مدینہ کے عمل کو حدیث صحیح پر ترجیح دیتے تھے۔ حالانکہ اِن کے زمانہ میں دوسری صدی چل رہی تھی، اس کی دلیل صحابۂ کرام اور تابعین کی شہادت تھی جو اُنہوں نے اہل مدینہ کے متعلق وقتاً فوقتاً دی کہ اِن کے عمل میں زمانہ رسالت مآب ﷺ سے لے کر بہت بعد تک کوئی فرق نہیں آیا۔ مثلاً حضرت انس رضی اللہ عنہ کا بیان جو آگے آتا ہے، امام مالکؒ کی دلیل ہے۔ دوسری طرف حضرت انس اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہما کے ایسے بیانات بھی موجود ہیں جو شام کی عملی حالت کے بہت کمزور ہو جانے کی دلیل ہیں۔

اب ذرا اِن حضرات کے بیانات بھی پڑھ لیجئے۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے شام بھیج دیا تھا کہ وہاں پڑھائیں۔ ان کی وفات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت کے اوائل میں ہوئی۔ وہ ایک دن گھر میں داخل ہوئے تو اہلیہ صاحبہ نے جو اُم الدرداء کہلاتی تھیں، دریافت کیا کہ آپ کو کس بات پر غصہ آرہا ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا :

وَاللّٰہِ مَا اَعْرِفُ مِنْ اَمْرِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَیْئًا اِلَّا اَنَّھُمْ یُصَلُّوْنَ جَمِیْعًا. (بخاری شریف ص ۹۰ ج ۱)

''خدا کی قسم! میں جناب رسول اللہ ﷺ کے معاملات میں سے کوئی چیز یہاں ہوتی نہیں جانتا سوائے اِس کے کہ یہ جماعت سے نماز پڑھتے ہیں''۔

اِس کے بعد تو زمانہ اور کوتاہیوں کی طرف بڑھتا چلا گیا، اس کوتاہی کا ذکر بھی حدیث میں آتا ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کی شہادت کے بعد زہری رحمۃ اللہ علیہ مدینہ سے شام چلے گئے تھے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں دمشق میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں، میں نے رونے کی وجہ دریافت کی تو اُنہوں نے فرمایا :

لَااَعْرِفُ شَیْئًا مِمَّا اَدْرَکْتُ اِلَّا ھٰذِہِ الصَّلٰوۃَ وَھٰذِہِ الصَّلٰوۃُ قَدْ ضُیِّعَتْ.

(بخاری شریف ص ۷۶ ج ۱ باب فی تضییع الصلوۃ عن وقتھا)

''میں نے جو چیزیں (اپنے پہلے زمانہ میں) پائی تھیں اُن میں سے کوئی چیز جانی پہچانی نہیں معلوم ہوتی (یہاں نظر نہیں آتی) سوائے اِس نماز کے اور یہ نماز بھی ضائع کردی گئی ہے (یعنی وقت مستحب ٹلا کر پڑھتے ہیں)۔''

اِن چیدہ چیدہ معروف ترین صحابۂ کرام کی رائے اہل شام کی عملی حالت کے بارے میں آپ نے دیکھی جس سے واضح ہو رہا ہے کہ مال کی کثرت اور عیسائیوں وغیرہ سے اختلاط بہت خاصی حد تک لوگوں پر اثر انداز ہو رہے تھے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ سفر ۹۵ھ کے قریب ہوا تھا۔

دوسری طرف حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے آخری دور میں جب مدینہ منورہ پہنچے تو اِن سے صاف صاف پوچھا گیا کہ :

مَا اَنْکَرْتَ مِنَّا مُنْذُ یَوْمٍ عَهِدتُّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ مَاَنْکَرْتُ شَیْئًا اِلَّااَنَّکُمْ لَا تُقِیْمُوْنَ الصُّفُوْفَ. (بخاری ص ۱۰۰ ج ۱)

''جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں آپ نے جو کچھ حال دیکھا تھا اُس سے اب آپ نے کون سی چیز ایسی دیکھی ہے جو اُوپری (اجنبی) لگی ہو۔ اُنہوں نے فرمایا کہ میں نے کوئی چیز اجنبی (تبدیل شدہ اور متغیر) نہیں دیکھی سوائے اِس کے کہ تم لوگ صفیں سیدھی نہیں رکھتے''۔

آپ کے سامنے اہل عرب کے رواجی مشروب نبیذ کے پھر اِس سے نشہ اور اِس پر حد جاری کیے جانے کے واقعات آئے۔ نشہ ذرا سی غفلت سے بھی ہو جاتا رہا ہے اور غلط نیت سے بھی۔ پھر یہ بھی سامنے آ گیا کہ شام میں عملی کوتاہیاں بڑھتی گئی ہیں اور مدینہ منورہ اِس قسم کی خرابیوں سے تادیر محفوظ رہا ہے۔ اس لیے وہ لوگ یزید کو نہیں چاہتے تھے۔ وہ یزید کی جانشینی میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی رائے سے متفق نہیں تھے، پھر اُنہوں نے اپنے وفد سے جب یزید کی حالت کی خبریں سنیں تو اُنہوں نے اِس کی بیعت ہی توڑ دی اور تمام بنواُمیہ کو جن میں یزید کا گورنر اور مروان بھی تھا مدینہ پاک سے ہی نکال دیا جس پر یزید کو بے حد غصہ آیا۔ پھر واقعہ حرہ پیش آیا۔

ضمیمہ نمبر ۲ ..... قُتِلَ الْحُسَیْنُ رضی اللہ عنہ بِسَیْفِ جَدِّہٖ

یہ ناصبی لوگوں کی باتیں ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی حیات میں بعض مصالح کے پیش نظر آئندہ منصب امارت کے لیے لوگوں سے رائے لے کر نامزد کرنا چاہا لیکن بہت سے لوگ یزید کے خلاف تھے، اتفاق نہ ہو سکا۔ مدینہ منورہ میں اُس وقت تک مروان ہی امیر تھا۔ اس نے جمعہ کے خطبہ میں یزید کا ذکر کیا جس پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے اعتراض کیا۔ اُس نے کہا کہ ''پکڑ لو اِنہیں'' لیکن وہ اپنی ہمشیرہ سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس چلے گئے۔ اِس واقعہ کا یہ حصہ تو بخاری شریف کی جلد دوم میں سورۂ احقاف کی تفسیر میں ہے۔ لیکن بعض مؤرخین نے لکھا ہے کہ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے فرمایا کہ ''هِرَقْلِیَّةٌ'' یہ طرز تو اُن لوگوں کا ہے جنہیں مسلمانوں نے شام سے نکالا۔ اب شام میں دارالخلافہ ہے تو ان لوگوں کا طرز کیوں اختیار کیا جا رہا ہے (یہ ہرقل کا طریقہ تھا) کہ باپ کے بعد بیٹے کی جانشینی پر زور دیا جائے۔

بالکل اسی طرح اور بھی بہت سے صحابۂ کرام کو یہ طریقہ پسند نہیں آیا۔ ان میں حضرت ابن زبیر اور حضرت

حسین بھی ہیں (رضی اللہ عنہما) گویا اِن کا اختلاف حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور ہی میں اس طرزِ عمل سے ہو گیا تھا۔ ان کی رائے تھی کہ اِس طرح انعقادِ خلافت و امارت ٹھیک نہیں ہوتا۔ کوفہ، مدینہ منورہ اور مکہ مکرمہ کے علماء کی یہی رائے تھی حتی کہ مکہ اور مدینہ میں جن حضرات نے یزید کی جانشینی کی خبر آنے پر بیعت کر لی تھی بعد میں اُن میں سے بھی بعض کے سواء سب نے اِس کی نااہلی کی خبر پر بیعت توڑ دی تھی۔ اور مدینہ منورہ کے لوگوں نے تو تمام بنواُمیہ کو بھی مدینہ سے نکال دیا تھا جن میں مروان بھی تھا۔ اس پر یزید نے غضبناک ہو کر مدینہ پر حملہ کا حکم دیا اور سپہ سالار مسلم بن عقبہ مری کو حکم دیا کہ تین دن تک مدینہ میں قتل و غارت گری مباح رکھنا۔ ابن تیمیہؒ منہاج السنۃ میں لکھتے ہیں وَاَمَرَهٗ اَنْ يَّسْتَبِيْحَ الْمَدِيْنَةَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ اس کے بعد اس کا لشکر مکہ مکرمہ گیا، وہاں ابن زبیر رضی اللہ عنہ سے مقابلہ ہو ہی رہا تھا کہ یزید کی موت کی خبر آ گئی۔

یزید کے بعد اُس کے بیٹے کو امیر بنایا گیا، لیکن اُس نے اس طرزِ حکومت کو پسند نہیں کیا بددل رہا اور صرف تیس پینتیس دن بعد اُس کا انتقال ہو گیا۔ پھر پوری سلطنت اسلامیہ میں بنواُمیہ کی حکومت ختم اور ابن زبیرؓ کی حکومت قائم ہو گئی۔ حتی کہ خود شام میں بھی حضرت ابن زبیرؓ کی طرف سے حضرت ضحاک رضی اللہ عنہ گورنر ہو گئے۔ چند سال کے بعد مروان نے کچھ جمعیت اکٹھی کی اور حضرت ضحاکؓ سے لڑا پھر معاہدہ پھر بدعہدی کر کے اِنہیں شہید کر دیا۔ لیکن کچھ ہی دنوں بعد مروان کا بھی خود انتقال ہو گیا یا بیوی نے گلا گھونٹ دیا۔

پھر عبدالملک بن مروان جانشین ہوا۔ وہ اور اُس کا جنرل حجاج بن یوسف بہت کامیاب رہے۔ اُنہوں نے از سرِ نو سلطنت بنواُمیہ قائم کی۔ مکہ مکرمہ میں حضرت ابن زبیرؓ کو شہید کر دیا۔ اس تمہید کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ چند سطور میں متقدمین سے لے کر حضرت شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہما اور اکابر دیوبند تک کا موقف سامنے آ جائے اور یزید کے بارے میں بھی یہ بات آ جائے کہ اُس کی تفسیق کی وجہ واقعہ حرہ ہے (جس میں مقتولین کی کثرت کا ذکر بخاری شریف جلد دوم، تفسیر سورہ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ میں حضرت انس اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہما کی روایت میں آتا ہے (اور تاریخ کی سب کتابوں میں موجود ہے) کیونکہ اُس کا انتقال اِسی دوران ہو گیا اور اس بے حرمتی سے توبہ کا ثبوت نہیں ملتا اِس لیے تفسیق اور بعض نے تکفیر بھی کی ہے۔

اِس سے بالا جمال یہ بھی واضح ہو رہا ہے کہ یزید کی مقبولیت اُس کے دورِ امارت سے پہلے بھی کم ہی تھی۔ دَورِ امارت میں ختم ہو گئی۔ بلکہ اہل مدینہ کے ساتھ زیادتی سے مسلمانوں میں اتنی مخالفت بڑھ گئی کہ ایک دفعہ تو

بنواُمیہ کی حکومت ہی دُنیا سے ناپید ہوگئی (یہ واقعات کا تو وہ حصہ ہے جو تاریخ کی ہر کتاب میں ہے لیکن یزید کے مداح لوگوں نے اِسے حذف ہی کر رکھا ہے) اس مسئلہ میں جو بات عرض کرنی چاہتا تھا وہ صرف یہ تھی کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابۂ کرام کو طریق استخلاف سے اختلاف تھا۔ ان کے نزدیک اس طرح مشورہ کر کے جانشین کا تقرر درست نہیں تھا۔ آگے یہ ہوا کہ ایسی صورت میں اہل کوفہ کی طرف سے دعوت موصول ہوئی۔ جنہوں نے یہ بھی صاف لکھا تھا کہ ہم نے اب تک کسی کے ہاتھ پر بیعت نہیں کی ہے۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کے نزدیک ایسی صورت میں اِن کی دعوت قبول کرنا ضروری تھا۔ یہ ضروری یا فرضیت کے درجہ میں تھا یا وجوب اور یا صرف استحباب کے درجہ میں کم از کم سفر کر کے پہنچنا بہتر تھا۔ بہر حال اُنہوں نے اِس دعوت کو قبول فرمایا لیکن اس طریقہ سے کہ قتال کے بغیر کامیابی ہو۔ اسی لیے اُنہوں نے اپنے ساتھ لشکر نہیں لیا بلکہ بیوی بچوں عورتوں اور رشتہ داروں کو لیا۔ اور اِسی لیے بعد میں اُنہوں نے ابن زیاد کے لشکریوں سے فرمایا کہ مجھے واپس جانے دو یا یزید کے پاس لے چلو یا اور آگے جہاد پر جانے دو، کیونکہ اِن سب صورتوں میں قتالِ مسلم سے بچنا ہو جاتا۔

واپسی یا جہاد پر جانا ان دونوں صورتوں میں قتال مسلم سے بچنا تو ظاہر ہی ہے بلکہ اِس سے بڑھ کر یزید کی حکومت کو تسلیم کرنا بھی لازم آتا ہے کیونکہ اِن کا گھر مدینہ شریف میں تھا اور وہاں یزید کی حکومت تھی اور دوسری صورت میں اگر انہیں آگے جہاد پر جانے کی اجازت دے دی جاتی تو وہ کوفہ (ڈویژنل ہیڈ کوارٹر) کے تابع ہو کر ہی آگے جاتے، آذربائیجان، بخارا، بلخ وغیرہ تک کی ساری شمالی پٹی کا فوجی مرکز کوفہ ہی تھا جیسے اِس کے جنوبی حصہ (میں سندھ تک) کا مرکز بصرہ تھا۔ شمال میں قسطنطنیہ تک کا مرکز خود شام و فلسطین تھا اور افریقہ کے تمام مفتوحہ علاقوں کا ڈویژنل ہیڈ کوارٹر مصر تھا۔ غرض اِن کے نزدیک بغیر قتال مسلم اگر یہ معاملہ امارت طے ہو جاتا تو درست ہوتا اور یہی انہیں توقع تھی۔ لیکن ابن زیاد نے اِن سے مطالبہ کیا کہ وہ پہلے یزید کی بیعت قبول کریں پھر انہیں گرفتار کیا جائے گا پھر فیصلہ کیا جائے گا کہ یزید کے پاس بھیجا جائے یا نہیں۔ اُس نے نہ یزید سے ان کی رشتہ داری کا خیال کیا نہ قرابت رسول اللہ ﷺ کا لحاظ کیا اور صرف مذکورہ بالا صورت ہی پر اصرار کیا جو شرعاً ناجائز تھا اور غیرت، حمیت و عزت نفس جو شریعت نے ہر مسلمان کو بخشی ہے اس کے منافی تھا۔ اس لیے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اِسے نہ مانا جس کے نتیجہ میں اِن کی شہادت ہوئی۔

ابن زیاد کا یہ رویہ غیر شرعی تھا کیونکہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ نے اُن باغیوں کے ساتھ بھی کہ جنہوں نے

تلوار اُٹھائی تھی کبھی ایسا سلوک روا نہیں رکھا تھا۔ مروان بصرہ کے واقعہ جمل میں قید ہو کر آیا اُسے اور دوسرے قیدیوں کو آپ نے چھوڑ دیا۔ انہوں نے اعلان فرما دیا تھا کہ جو عین میدان جنگ میں بھاگ کھڑا ہو اُس کا بھی پیچھا نہ کرو۔ (پھر ان کے بعد حضرت معاویہؓ نے بھی ان ہی کے طریقہ پر عمل کیا) اور یہی مسئلہ فقہ حنفی کے مسائل میں واقعہ جمل کے حوالہ سے ذکر کیا جاتا ہے۔

غرض شرعاً حضرت امام حسینؓ کا طریق کار مکہ مکرمہ سے روانگی کے وقت اور ابن زیاد سے بات چیت کے وقت قطعاً دُرست تھا۔ پھر آخر میں انہوں نے جب تین صورتیں پیش فرما دیں تو مدمقابل کو دست درازی کا کوئی جواز ہی نہیں رہا تھا۔ اِن کے ساتھ ابن زیاد کا معاملہ سراسر ظلم تھا۔

حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ساتھیوں سے فرما دیا تھا کہ یہ لوگ مجھے نہ چھوڑیں گے۔ آپ لوگوں کو اجازت دیتا ہوں کو جو اِدھر اُدھر ہونا اور جانا چاہے چلا جائے۔ لیکن کوئی ساتھی آپ کو چھوڑ کر جانے پر راضی نہ ہوا۔ آخر میں جب آپ کو اندازہ ہوا کہ یہ مقابل لوگ حملہ کریں گے اور شہید کریں گے تو بھی آپ نے اپنے والد ماجد سیدنا علی کرم اللہ وجہہٗ کی طرح ساتھیوں کو یہ حکم دیا کہ لڑائی میں کوئی پہل نہ کرے۔ دوسرا فریق پہل کرے تو کرے (یہ مسئلہ بھی فقہ حنفی میں ہے اور حضرت علیؓ ہی کے قتال بغاۃ سے لیا گیا ہے) اسی طرح کربلا میں ہوا۔ پہل بھی ابن زیاد کے لشکر کی طرف سے ہوئی حتی کہ سب لڑ سکنے والے شہید ہوئے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ ورضی عنہم۔

ابن زیاد کے عبرتناک انجام کا ذکر تو ترمذی شریف میں ہے اور شہادت حسینؓ کی براہِ راست ذمہ داری اسی پر ہے لیکن بالواسطہ یزید پر بھی اس کی ذمہ داری آتی ہے کہ اُس نے ابن زیاد کو ادنی ترین سرزنش بھی نہیں کی جیسے آج کل ٹرانسفر کر دیا جاتا ہے، اس نے نہ اُس کا تبادلہ کیا نہ اُسے معطل کیا چہ جائیکہ سخت سزا دیتا۔ اور جو کسی ظلم پر راضی ہو اور ظالم سے متفق ہو وہ بھی اُس ظلم میں شریک ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے وہ قتل حسینؓ کے ظلم اور جرم میں شریک رہا۔ وَمَنْ غَابَ عَنْهَا فَرَضِيَهَا كَانَ كَمَنْ شَهِدَهَا (مشکوۃ ص ۴۳۶)

اب جناب کے سامنے واقعہ کا بالاجمال پورا خاکہ ہے۔ اس کی روشنی میں غور فرمائیں کہ " قُتِلَ الْحُسَيْنُ بِسَيْفِ جَدِّهٖ " کس قدر بیجا دعوی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ یا کسی ناصبی کا ہے یا ایسے شخص کا ہے جس کی نظر نہ تاریخ پر ہے اور نہ صورت واقعہ اور مسائل پر کیونکہ اِن کے نانا کی تلوار ظالم کے لیے تھی نہ کہ مظلوم کے لیے اور وہ بالاتفاق مظلوم ہیں اور شہید رضی اللہ عنہ۔

ضمیمہ نمبر۳ ..... بیعت ابن عمر رضی اللہ عنہما

اب رہا یہ کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کیوں بیعت کی اور کیوں اہل مدینہ کے ساتھ مل کر نہیں توڑی بلکہ اس کی مخالفت کی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کافی عرصہ قبل جان چکے تھے کہ یہ لوگ حکومت ہرگز نہیں چھوڑیں گے چاہے جو ہو جائے۔ وہ نہ اہل مدینہ کی رعایت کریں گے نہ اہل مکہ کی اور نہ حرمین کا احترام کریں گے اور اہل مدینہ بلا احترام جنگ نہیں جیت سکتے اس لیے خونریزی فضول ہوگی جس سے بچنا چاہیے۔ ایسے ہی حالات دیکھ کر وہ بہت عرصہ قبل سیاسیات سے کنارہ کش ہو گئے تھے جس کی وجہ ایک واقعہ تھا جو اِن کے اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان گزرا تھا۔ جس کی تفصیل عرض کرتا ہوں مگر اس سے پہلے اس گفتگو کا پس منظر بھی جو آگے بحوالہ بخاری شریف آنے والی ہے۔

بات یہ تھی کہ حضرت ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی ایک بات دیکھ کر طے کیا تھا کہ ہم سب جہاد میں بھرپور حصہ لیں گے۔ اُنہوں نے پوری مملکت شام اور اُس سے آگے ترکی کا علاقہ بھی فتح کیا اِس لیے بنواُمیہ کا خیال یہ ہو گیا تھا کہ حکومت ہم زیادہ بہتر طرح کر سکتے ہیں۔ وہ خود کو اِس کا مستحق سمجھنے لگے تھے اور اِس کا اظہار بھی کرتے تھے۔ اس کے بعد حضرت ابن عمر و معاویہ رضی اللہ عنہم کا واقعہ نقل کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ اپنے ابتدائی دور میں ایک مرتبہ سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ شریف تشریف لائے تو اُنہوں نے ابن عمرؓ سے تنہائی میں ایسے ہی خیالات کا اظہار فرمایا تھا مگر بڑے سخت الفاظ میں۔ بخاری شریف میں ہے :

عَنِ ابْنِ عُمَرَؓ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی حَفْصَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهَا وَنَوْسَاتُهَا تَنْطِفُ قُلْتُ قَدْ كَانَ مِنْ اَمْرِ النَّاسِ مَا تَرَیْنَ فَلَمْ یُجْعَلْ لِّیْ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ فَقَالَتْ اِلْحَقْ فَاِنَّهُمْ یَنْتَظِرُوْنَكَ وَاَخْشٰی اَنْ یَّكُوْنَ فِی احْتِبَاسِكَ عَنْهُمْ فُرْقَةٌ فَلَمْ تَدَعْهُ حَتّٰی ذَهَبَ فَلَمَّا تَفَرَّقَ النَّاسُ خَطَبَ مُعٰوِیَةُ قَالَ مَنْ كَانَ یُرِیْدُ اَنْ یَّتَكَلَّمَ فِیْ هٰذَا الْاَمْرِ فَلْیُطْلِعْ لَنَا قَرْنَهٗ فَلَنَحْنُ اَحَقُّ مِنْهُ وَمِنْ اَبِیْهِ قَالَ حَبِیْبُ بْنُ مَسْلَمَةَ فَهَلَّا اَجَبْتَهٗ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَحَلَلْتُ حَبْوَتِیْ وَهَمَمْتُ اَنْ اَقُوْلَ اَحَقُّ بِهٰذَا الْاَمْرِ مِنْكَ مَنْ قَاتَلَكَ وَاَبَاكَ عَلَی الْاِسْلَامِ فَخَشِیْتُ اَنْ اَقُوْلَ كَلِمَةً تُفَرِّقُ بَیْنَ الْجَمِیْعِ وَتَسْفِكُ الدَّمَ وَیُحْمَلُ عَنِّیْ غَیْرُ ذٰلِكَ فَذَكَرْتُ مَا اَعَدَّ اللّٰهُ فِی

الْجَنَانِ قَالَ حَبِیْبٌ حَفِظْتَ وَعَصَمْتَ. (بخاری شریف ص ۵۹۰ ج۲ باب غزوۃ الخندق)

''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں کہ میں حضرت حفصہ (اُم المؤمنین رضی اللہ عنہا) کے پاس گیا، وہ سر دھو کر فارغ ہوئی تھیں، اُن کی لٹوں سے پانی ٹپک رہا تھا، میں نے کہا لوگوں کا معاملہ جو ہوا وہ آپ نے دیکھ ہی لیا ہے مجھے کوئی کام تفویض نہیں کیا گیا۔ وہ فرمانے لگیں کہ تم وہیں جاؤ وہ تمہارے انتظار میں ہیں اور مجھے اندیشہ ہے کہ تم اگر اُن کے پاس جانے سے رُکے رہے تو لوگوں میں افتراق پیدا ہوگا، اُنہوں نے (ان پر اتنا اصرار فرمایا کہ) اِنہیں وہاں بھیج کر ہی چھوڑا۔

جب لوگ اِدھر اُدھر ہو گئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے خطاب فرمایا اور فرمایا کہ جو کوئی اس کام میں (کارِ حکومت میں) بات کرنی چاہتا ہے تو وہ ہمارے سامنے اپنا سینگ نکالے (سر اٹھائے) یقیناً ہم اُس سے اور اُس کے باپ سے زیادہ حق دار ہیں، اس پر حبیب بن مسلمہ نے پوچھا کہ پھر آپ نے انہیں اس کا جواب کیوں نہیں دیا؟ فرمانے لگے کہ میں نے اپنی کمر کا بند کھولا اور اِرادہ کیا کہ اِن سے یہ کہوں کہ اس کام کا زیادہ حق دار تم سے وہ ہے کہ جس نے تم سے اور تمہارے والد سے اسلام کے لیے جہاد کیا تھا (لیکن بہن سے باتوں کے بعد) مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں میری زبان سے ایسی بات نہ نکل جائے جو جمع شدہ مسلمانوں میں تفریق پیدا کر دے اور خونریزی ہو اور جو میں کہوں وہ بات تو رہ جائے اور دوسری باتیں میری طرف منسوب ہو جائیں۔ اس پر میں نے یاد کیا کہ اللہ تعالیٰ نے صبر و ایثار کرنے والوں کے ساتھ جو جنتوں میں وعدہ فرما رکھا ہے۔ حضرت حبیب نے فرمایا کہ آپ بچ گئے اور (ہر طرح) محفوظ رہے''۔ (بخاری شریف باب غزوۃ الخندق)

جب انہیں مشیر بھی نہ بنایا گیا اور بہن اُم المؤمنین سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کی رائے بھی ایسی ہی دیکھی کہ یکسو رہنا ہی بہتر ہے۔ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما ہمیشہ کے لیے سیاست و امارت اور مشاورت امیر وغیرہ سے دستبردار ہو گئے، ان کے بعد کے حالاتِ زندگی یہی بتلاتے ہیں۔ ادھر عام بنو اُمیہ کا یہ رجحان بڑھتا ہی گیا، اور بعض

اوقات تو اِس نے بہت بدنما شکل بھی اختیار کر لی کیونکہ حکام بنواُمیہ نے سیدنا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد یزید کے لیے جانشینی کی فضا ہموار کرنی شروع کر دی تھی یہ اہل مدینہ کو پسند نہ تھا نہ وہ اِس کارروائی کو پسند کرتے تھے نہ یزید کو چاہتے تھے، مثلاً حدیث شریف میں آتا ہے :

كَانَ مَرْوَانُ عَلَى الْحِجَازِ اِسْتَعْمَلَهُ مُعٰوِيَةُ فَخَطَبَ فَجَعَلَ يَذْكُرُ يَزِيْدَبْنَ مُعٰوِيَةَ لِكَيْ يُبَايِعَ لَهُ بَعْدَ اَبِيْهِ فَقَالَ لَهُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ شَيْئًا فَقَالَ خُذُوْهُ فَدَخَلَ بَيْتَ عَائِشَةَ فَلَمْ يَقْدِرُوْا (بخاری شریف ص۷۱۵ ج۲ تفسیر سورۃ الاحقاف)

''مروان حجاز پر حاکم تھا، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اُسے وہاں کا عامل مقرر فرما دیا تھا، اُس نے خطبہ دیا تو یزید بن معاویہ کا ذکر کرنے لگا تا کہ اُس کے والد کے بعد اس سے بیعت کر لی جائے، اِس پر حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہما نے اس سے کچھ فرمایا تو اس نے اپنے لوگوں سے کہا کہ اِسے پکڑو۔ وہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں چلے گئے، یہ لوگ نہ پکڑ سکے''۔

اس کے علاوہ بھی اس نے بدزبانی کی جو بخاری شریف کی اسی روایت میں ہے۔ غرض آل صدیق اکبرؓ اور آل عمر فاروقؓ کے ساتھ ان لوگوں کا یہ رویہ تھا یہ حالات حضرت ابن عمرؓ کے سامنے تھے اور جیسا کہ گزر چکا ہے وہ پہلے سے ہی نظروں میں آ چکے تھے اس لیے ان کا بیعت نہ ہونا مشکل تھا۔ سوائے اس کے کہ وہ بھی کہیں اور چلے جاتے اور چھپ جاتے۔ ایسا انہوں نے نہیں کیا۔

ان حالات میں آپ ہی بتائیں کہ صحابۂ کرام کا یزید کی امارت پر بیعت کرنا کیا اس کے شرف کی وجہ سے ہے یا اس کے فتنہ سے بچنے کے لیے ہے۔

اہل مدینہ کے قلوب میں یزید سے محبت نہ تھی اور اطلاعات ملنے کے بعد شدید نفرت پیدا ہو گئی۔ انہوں نے بیعت فسخ کر دی اُس کے نائب اور اہل خاندان کو مدینہ پاک سے نکال دیا۔

حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس تاریخی حصہ کو محدثین و شارحین حدیث سے لیکر یوں تحریر فرمایا ہے کہ یزید بن معاویہؓ نے مدینہ منورہ میں اپنے چچازاد بھائی عثمان بن محمد بن ابی سفیانؓ کو

امیر بنا دیا تھا۔ عثمان نے اہل مدینہ کی ایک جماعت یزید کے پاس وفد کے طور پر بھیجی۔

ان میں عبداللہ بن غسیل الملٰئکہ اور عبداللہ بن ابی عمرو المخزومی وغیرہ تھے۔ یزید نے ان کا اکرام کیا انہیں جائزے دیے پھر یہ واپس آئے تو انہوں نے یزید کے عیب ظاہر کیے اور اس کی طرف شراب پینا منسوب کیا اور بھی خرابیاں بیان کیں پھر عثمان کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اسے مدینہ سے نکال دیا اور یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی۔ (بخاری ص ۱۰۵۳ ج ۲ حاشیہ نمبر ۷ طبری ف۔ قس)

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے اُستاذ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوریؒ لکھتے ہیں :

یزید کے پاس سے جب یہ لوگ واپس آئے تو اُس کی بیعت توڑ دی عبداللہ بن زبیرؓ سے بیعت کر لی تو یزید نے مسلم بن عقبہ کو بھیجا اُس نے اہل مدینہ پر زبردست حملہ کیا۔ اس میں نمایاں حضرات میں سے ایک ہزار سات سو اور عام لوگوں میں سے دس ہزار آدمیوں کو قتل کیا، عورتیں اور بچے اس کے سوا ہیں۔ (بخاری شریف ص ۴۱۵ حاشیہ ۱۱ ج ۱ بحوالہ قسطلانی)

اسی میں عبداللہ بن حنظلہ ؓ بھی شہید ہوئے۔ وہ بھی صحابی تھے۔ (رؤیۃ تہذیب ص ۱۹۳ ج ۵)

اور حضرت عبداللہ بن زید انصاری رضی اللہ عنہ بھی شہید ہوئے (جنہوں نے بیعت رضوان کی تھی اور مسیلمہ کذاب کو قتل کرنے والوں میں تھے۔ یہ واقعہ ذی الحجہ ۶۳ھ کے اواخر میں پیش آیا۔ (تہذیب التہذیب ص ۲۲۳ ج ۵)۔

لوٹ اور قتل عام :

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی تلوار کی نیام میں جناب رسول اللہ ﷺ کا عطا فرمودہ قیراط رہا کرتا تھا۔ (بخاری ص ۳۱۰ ج ۱) جسے اہل شام نے حرہ کے موقعہ پر لے لیا حَتّٰی اَصَابَهَا اَهْلُ الشَّامِ يَوْمَ الْحَرَّةِ۔ (بخاری شریف ص ۳۵۵ ج ۱)۔

اِس لوٹ مار اور قتل و غارتگری کی جو تین دن جاری رہی حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بصرہ میں اطلاع ملی تو وہ بہت غمزدہ ہوئے۔

عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْفَضْلِ اَنَّهٗ سَمِعَ اَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يَقُوْلُ حَزِنْتُ عَلٰى مَنْ اُصِيْبَ بِالْحَرَّةِ. (بخاری ص ۷۲۸ ج ۲)

حاشیہ میں حرہ کے بارے میں تحریر ہے :

یہ سیاہ رنگ کی پتھریلی زمین ہے۔ وہاں ۶۳ھ میں یہ جنگ ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی تھی کہ اہل مدینہ نے یزید بن معاویہ کی بیعت توڑ دی کیونکہ انہیں اطلاع پہنچی تھی کہ وہ قصداً مفاسد کا ارتکاب کرتا ہے تو یزید بن معاویہ نے مسلم بن عقبہ کو بڑا لشکر دیکر بھیجا۔ اُس نے اہل مدینہ کو شکست دی اور مدینہ منورہ میں لوٹ مار کی، اِس میں انصار میں سے بہت ہی زیادہ لوگ قتل کیے گئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ اُن دنوں بصرہ میں تھے۔ انہیں اس کی خبر پہنچی تو وہ انصار کے شہداء کی وجہ سے غمگین ہوئے۔ (بخاری ص ۷۲۸ ج ۲ حاشیہ ۹ بحوالہ قس۔ خ)

اسی میں ہے کہ حضرت انسؓ نے فرمایا :

فَكَتَبَ اِلَيَّ زَيْدُ بْنُ اَرْقَمَ وَبَلَغَهٗ شِدَّةُ حُزْنِيْ يَذْكُرُ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْاَنْصَارِ وَلِاَبْنَاءِ الْاَنْصَارِ. (بخاری ص ۷۲۸ ج ۲)

تو مجھے زید بن ارقم رضی اللہ علیہ نے جب انہیں میرے شدید غمگین ہونے کی اطلاع ملی تو (میری تسلی کے لیے) خط لکھا۔ اِس میں انہوں نے یہ ذکر فرمایا کہ انہوں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اے اللہ! تو انصار کو بخش دے اور اُن کی اولاد کو بخش دے۔

یزید کے مداح لوگ جو پیدا ہو رہے ہیں تاریخ کے اِس عظیم حصہ کو اور بنی اُمیہ کی سلطنت کے ختم ہو جانے کے حصہ کو تاریخ ہی سے مٹانے کی کوشش میں رہتے ہیں جو بڑی خیانت ہے۔ اس نے اہانت حرمین کی تو حکومت بنی اُمیہ سے اتنی نفرت پیدا ہوئی کہ حکومت ہی ایک دفعہ ختم ہو گئی۔

اور ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں :

وَاَمَّا مَا فَعَلَهٗ بِاَهْلِ الْحَرَّةِ فَاِنَّهُمْ لَمَّا خَلَعُوْهُ وَاَخْرَجُوْا نُوَّابَهٗ وَعَشِيْرَتَهٗ اَرْسَلَ اِلَيْهِمْ مَرَّةً بَعْدَ مَرَّةٍ يَطْلُبُ الطَّاعَةَ فَامْتَنَعُوْا فَاَرْسَلَ اِلَيْهِمْ مُسْلِمَ بْنَ عُقْبَةَ الْمُرِّيَّ وَاَمَرَهٗ اِذَا ظَهَرَ عَلَيْهِمْ اَنْ يُّبِيْحَ الْمَدِيْنَةَ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ وَهٰذَا هُوَ الَّذِيْ عَظَّمَ اِنْكَارَ النَّاسِ لَهٗ مِنْ فِعْلٍ يَّزِيْدَ وَلِهٰذَا قِيْلَ لِاَحْمَدَ اَنَكْتُبُ الْحَدِيْثَ عَنْ يَّزِيْدَ قَالَ لَا وَلَا كَرَامَةَ اَوَ لَيْسَ هُوَ الَّذِيْ فَعَلَ بِاَهْلِ

الْمَدِیْنَةِ مَافَعَلَ. (منهاج السنة ج۲ ص ۲۵۳)

''رہا وہ جو اُس نے اہل حرہ کے ساتھ کیا تو جب اہل مدینہ نے اسے حاکم ماننے کی بیعت فسخ کردی اور اُس کے نائبوں اور اہل خاندان کو مدینہ شریف سے نکال دیا تو اس نے بار بار اِن کے پاس پیغام بھیجے کہ وہ اِس کی اطاعت قبول کریں اور وہ اس کی بات ماننے سے رُکے رہے تو اس نے ان کے پاس مسلم بن عقبہ مری کو سالار جیس بنا کر روانہ کیا اور اسے یہ حکم دیا کہ جب وہ اہل مدینہ پر غلبہ پالے تو مدینہ شریف کو تین دن قتل وغارتگری کے لیے اپنے لشکر والوں کے لیے مباح کردے اور یہی یزید کا وہ فعل ہے کہ جس نے اس پر لوگوں کے اعتراض کو بڑھا دیا اسی لیے جب امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا ہم یزید کی حدیث لکھ لیں تو انہوں نے فرمایا نہیں اور اس سے حدیث لکھنا کوئی اچھی بات نہیں کیا وہ وہی شخص نہیں ہے کہ جس نے اہل مدینہ کے ساتھ کیا کیا کچھ کیا ہے۔''

آپ کو ان معتبر ترین حوالوں سے واضح طرح معلوم ہو گیا ہوگا کہ صحابہؓ مدینہ منورہ کی بیعت سے اسے کوئی فضیلت حاصل نہیں ہوئی اور جو کچھ اس نے اہل مدینہ سے انتقام لینے کے لیے کارروائی کی وہ اس کے لیے کلنگ کا ٹیکہ ہے جسے حضرت ابن عمرؓ کی مذکورہ الصدر نوعیت کی بیعت نہیں مٹا سکتی اور اہل مدینہ کی وجہ سے آپ نے امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بھی ملاحظہ فرمالی تو کتاب الزہد میں ان کا یزید کی تعریف کرنا اور اس کا زہد نقل کرنا بعید از قیاس ہے۔ اس کے لشکر نے مدینہ منورہ کے بعد مکہ مکرمہ پر چڑھائی کی لڑائی جاری تھی کہ یزید کا انتقال ہو گیا۔ اس جرم سے اس کی توبہ ثابت نہیں ہے اس لیے بعض علماء نے اسے فاسق کہا ہے اور بعض نے اس کی تکفیر تک کردی ہے۔ حضرت نانوتوی ؒ تحریر فرماتے ہیں کہ یزید کی جب موت واقع ہوئی تو اس کے لشکروں نے حضرت ابن زبیرؓ کا (مکہ مکرمہ) کا محاصرہ کیا ہوا تھا۔ ابن زبیرؓ نے یزید کی زندگی میں اپنی خلافت کا دعوی نہیں کیا تھا۔ جب یزید کی ربیع الاول ۶۴ھ میں موت ہوگئی تو لوگوں نے ابن زبیرؓ سے بیعتِ خلافت کی۔ حجاز میں ان کی خلافت قائم ہوگئی اور باقی علاقوں نے معاویہ بن یزید بن معاویہؒ کی خلافت کی بیعت کی لیکن وہ تقریباً چالیس دن زندہ رہ کر انتقال کر گیا۔ تو پھر مملکت کے اکثر علاقوں نے ابن زبیرؓ کی بیعت قبول کرلی۔ عراق حجاز یمن اور سارے مشرق کے علاقوں میں مصر میں اور شام کے تمام شہروں میں حتی کہ دمشق (دارالخلافہ) میں بھی اِن کی حکومت قائم ہوگئی۔ ان کی

بیعت قبول نہ کرنے والے تمام بنی اُمیہ تھے یا اُن کے ہم نوا۔ اور یہ فلسطین میں تھے اور ان سب نے مل کر مروان کے ہاتھ پر بیعت خلافت کر لی الخ (از فتح الباری حاشیہ ۵ ص ۱۰۶۹ بخاری ج ۲)۔

غرض یزید کی حرمین سے بدسلوکی کا اثر یہ ہوا کہ بنی اُمیہ کی حکومت روئے زمین سے ختم ہوگئی۔ دوبارہ مروان نے اسے قائم کرنا شروع کیا لیکن صرف چھ ماہ بعد ۶۵ھ میں اِس کا انتقال ہوگیا پھر اُس کے بیٹے عبدالملک اور حجاج بن یوسف نے کوشش اور لڑائیاں شروع کیں حتیٰ کہ جمادی الاولیٰ ۷۳ھ میں کامیاب ہوا۔ ابن زبیرؓ کو حجاج نے شہید کر دیا اس لیے یزید کے مداح حجاج کی بھی تعریفیں کرتے ہیں کیونکہ اُس کی کمان میں دوبارہ بنواُمیہ کی حکومت قائم ہوئی۔

حامد میاں غفرلہٗ

۴/ذی قعدہ ۱۴۰۴ھ ۲/اگست ۱۹۸۴ء

جامعہ مدنیہ لاہور

درسِ حدیث

حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب (مہتمم جامعہ مدنیہ جدید) ہر انگریزی مہینے کے پہلے ہفتہ کو بعد از نمازِ عصر شام 5:30 بمقام A-537 فیصل ٹاؤن نزد جناح ہسپتال مستورات کو حدیث شریف کا درس دیتے ہیں۔ خواتین کو شرکت کی عام دعوت ہے۔

نوٹ : کبھی اچانک کسی مجبوری کی وجہ سے درس اپنے مقررہ وقت پر نہیں ہوتا لہٰذا زحمت سے بچنے کے لیے مستورات ایک دن پہلے فون پر رابطہ کر لیا کریں۔ (ادارہ)

فون رابطہ : 042-5162725 042-7726702

قسط : ۵

اَللَّطَائِفُ الْاَحْمَدِیَّہ فِی الْمَنَاقِبِ الْفَاطِمِیَّہ رضی اللہ عنہا

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مناقب

﴿ حضرت علامہ سیّد احمد حسن سنبھلی چشتی رحمۃ اللہ علیہ ﴾

۞ ۞ ۞

(۱۷) عَنْ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کُلُّ بَنِیْ اُنْثٰی فَاِنِّیْ اَنَا عَصَبَتُھُمْ لِاَبِیْھِمْ مَاخَلَا وُلْدِ فَاطِمَۃَ فَاِنِّیْ اَنَا عَصَبَتُھُمْ وَاَنَا اَبُوْھُمْ

(اخرجہ الطبرانی)

''حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ہر عورت کے بیٹے کا عصبہ اُن کا باپ ہوتا ہے سوائے اولادِ فاطمہؓ کے کہ میں اُن کا عصبہ ہوں اور اُن کا باپ ہوں۔''

معنی یہ ہیں کہ ہر عورت کی اولاد نسبت کی جاتی ہے اپنے باپ کی طرف مگر اولادِ فاطمہ میری طرف منسوب ہے اور میں اُن کا عصبہ اور باپ ہوں۔ قاعدہ یہ ہے کہ ہر عورت کی اولاد اپنے باپ اور باپ کی طرف نر رشتہ داروں مثل دادا وغیرہ کی طرف نسبت کی جاتی ہے مگر اولادِ فاطمہ میری طرف منسوب ہے گویا وہ میری اولاد ہے اور میں اُن کا باپ ہوں پس وہ اولاد آپ ﷺ کی طرف اِسی وجہ سے نسبت کی جاتی ہے اور آپ کی وجہ سے حضرت فاطمہؓ کی اولاد بولی جاتی ہے اگرچہ فی الحقیقت اُن کے باپ حضرت علیؓ ہی ہیں۔ بیان سے خصوصیت اور بزرگی اولاد حضرت فاطمہؓ کی جو شامل ہے حضرت فاطمہؓ کی بزرگی کو کس درجہ ثابت ہوتی ہے کہ اُن کو حضور ﷺ نے خلافِ قاعدہ اپنی طرف نسبت کر کے اِس قدر شرف مرحمت فرمایا جس کی کوئی قیمت نہیں ہوسکتی اور یہ خصوصیت ہے حضرت فاطمہؓ کی کہ اُن کی اولاد اپنی ماں کی طرف نسبت کی جاتی ہے نہ کہ اپنے باپ کی طرف اور تقریر ذیل جو نہایت مفید ہے اور جس سے معلوم ہوتا ہے کہ عموماً اولاد باپ کی طرف منسوب ہوتی ہے اور شریعت کا بھی یہی حکم ہے حتی کہ اگر باپ شریف قوم کا ہو اور ماں رزیل قوم کی تو اولاد شرفاء میں شمار ہوتی ہے اِلَّا اَوْلَادُ الْمَمْلُوْكِ

فَاِنَّهٗ تَابِعٌ لِاُمِّهٖ لِدَلِیْلٍ آخَرَ. اور اِس تقریر سے وجہ خصوصیت نسبت اولاد حضرت فاطمہؓ بجانب والدہ ماجدہ خود بخوبی ظاہر ہوگی، غور سے ملاحظہ فرمایئے۔

جاننا چاہیے کہ اولاد والدین کا جز ہے اور ماں باپ دونوں کو پیدائش اولاد میں دخل ظاہر ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یٰاَیُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى یعنی اے لوگو ہم نے تم کو نر اور مادہ سے پیدا کیا ہے اور مشاہدہ بھی اِس پر دلیل قوی ہے اور بظاہر اولاد کی پیدائش میں ماں کو زیادہ دخل ہے بہ نسبت باپ کے، اِس لیے کہ مرد سے فقط چند قطرے منی کے جدا ہوتے ہیں جن کا پیدائش مذکور میں دخل ہے اور باقی جو کچھ شکم مادر سے نکلتا ہے وہ سب ماں سے نکلتا ہے پس ضروری ہوا کہ اعضائے مَنَوِیَّہ اور اعضائے دَمَوِیَّہ ماں کے خون اور اُس کی منی سے پیدا ہوتے ہیں اور عورت کی منی کا دخل پیدائش میں ہونا معتبر حدیث میں مصرح ہے لیکن فطرت بشریہ اور شریعتِ الٰہیہ دلالت کرتی ہے اِس بات پر کہ خصوصیت اولاد کی باپ کے ساتھ زیادہ ہے بہ نسبت ماں کے۔ تقریر اِس کی یہ ہے اوّلاً یہ کہ تمام لوگ ہر ولایت کے عربی اور عجمی اور مشرقی اور مغربی اور اہل اسلام اور کفار وغیرہم اولاد کو باپ کی طرف نسبت کرتے ہیں نہ کہ ماں کی جانب۔

ثانیاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا یعنی اور ٹھیرا دیے تمہارے کُنبے اور قبیلے تا کہ ایک دوسرے کو پہچانو۔ اور ظاہر ہے کہ پہچان خاندان اور ضبط قوم باپ کی طرف سے ہوتا ہے نہ کہ ماں کی طرف سے۔

ثالثاً یہ کہ حق تعالیٰ نے توریت میں نسب حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک ذکر کیا ہے اور سوائے باپ دادوں کے ماں کی طرف نسبت نہیں کی نیز جناب رسول مقبول ﷺ نے بھی اپنا نسب شریف حضرت عدنان رضی اللہ عنہ تک پہنچایا اور سوائے باپ دادوں کے ماؤں کا ذکر نہ فرمایا۔

رابعاً یہ کہ اگر نسبت اولاد کی ماں کی طرف صحیح ہوتی مثل نسبت باپ دادوں کے تو اولاد حضرت اسمٰعیلؑ کی طرف قبط کے اور اولاد حضرت امام زین العابدینؒ کی طرف نسبت طرف ساسانیہ کے اور نسل حضرت موسیٰ کاظمؒ کی جانب حبش کے دُرست ہوتی حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

خامساً یہ کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ یعنی ماؤں

کا روٹی کپڑا اُن پر واجب ہے جن کے لیے وہ بچہ پیدا کیا گیا ہے یعنی باپ۔ امام رازیؒ نے المولود کی تفسیر والد سے کی ہے وَقَالَ صَاحِبُ الْکَشَّافِ اِنَّ السَّبَبَ فِیْہِ اَنْ یُّعْلَمَ اَنَّ الْوَالِدَاتِ اِنَّمَا وَلَدْنَ الْاَوْلَادَ لِلْاٰبَآءِ وَلِذَالِکَ یُنْسَبُوْنَ اِلَیْھِمْ لَااِلَی الْاُمَّھَاتِ یعنی مؤلف تفسیر کشاف نے فرمایا ہے کہ باپ کی طرف نسبت کرنے کی وجہ یہ ہے کہ معلوم ہو جاوے یہ بات کہ عورتوں نے اولاد کو اُن کے باپوں کے لیے جنا ہے اور اِسی وجہ سے اولاد اُن کی طرف منسوب ہوتی ہے۔

سادساً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی اولاد کو اُن کی پشت میں رکھا نہ حضرت حواؑ کے پیٹ میں، اِس کے بعد ہر مرد کی پشت میں اُس کی اولاد رکھی یہاں تک کہ وہ پیدا ہوا اُس سے اور وہ ذُریت عورتوں کے پیٹ میں نہیں رکھی بلکہ عورتوں کو امانت کی جگہ قرار دیا وقت ڈالنے منی کے اُن کے رحم میں۔ اور مروی ہے کہ بنی آدم کی رُوحوں نے حضرت ابراہیمؑ کی آواز جو حج کرنے کے لیے تھی اُس کا جواب بابون کی پشت سے دیا اور یہ روایت مشہور ہے (یہ قصہ جب ہوا تھا کہ اللہ پاک نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم فرمایا تھا کہ اعلان دو لوگ خانہ کعبہ کے حج کے لیے آویں پس جو لوگ پیدا نہ ہوئے تھے اُنہوں نے اِس حکم کو قبول کیا اپنے باپوں کی پشتوں میں اور ظاہر یہ ہے کہ اِس کا قبول کرنا ارواح کو اِسی طرح تھا جیسا کہ عالم ارواح میں سب لوگ مسلمان و ولی و فاسق اللہ تعالیٰ کے پروردگار ہونے کا اقرار کر چکے ہیں گو دُنیا میں آ کر بعض اُس پر عمل نہیں کرتے۔

اِن تمام امورِ مذکورہ سے یہ امر بخوبی ثابت ہو گیا کہ عموماً خاندان کی نسبت باپ و دادا کی طرف ہوتی ہے شرعاً و عرفاً، پس جو لوگ سیدوں کی لڑکیوں کی اولاد کو سید کہتے ہیں جبکہ اُن لڑکیوں کے خاوند سید نہ ہوں سخت غلطی پر ہیں اور اِسی وجہ سے مولانا شاہ رفیع الدین صاحب دہلوی قدس سرہٗ نے فرمایا ہے کہ میں اپنی ذات اور اپنی اولاد کو سید نہیں کہتا حالانکہ ہمارے چھ باپ و دادا سادات کی لڑکیوں سے پیدا ہیں اور علامہ بحر الرائق زین الدین بن نجیم مصریؒ نے اپنے فتاویٰ میں اِس سوال کا کہ شریف عورت کا لڑکا جبکہ باپ شریف نہ ہو شریف شمار ہوگا یا نہیں؟ یہ جواب لکھا ہے کہ اگر اُس کا باپ شریف نہیں ہے تو وہ شریف شمار نہ ہوگا اپنی ماں کے اعتبار سے۔ اور واضح ہو کہ سیادتِ اولاد فاطمہؓ اور اُن کی نسبت حضرت فاطمہؓ کی طرف اِس وجہ سے ہے کہ حدیث میں اِس اَمر کی تصریح ہے اور وہ حدیث یہ ہے اِنَّ اَوْلَادَ الْاُمِّ یَنْتَمُوْنَ اِلٰی عَصَبَتِھِمْ اِلَّا الْحَسَنَ وَالْحُسَیْنَ فَاِنَّھُمَا اَبْنَایَ وَاَبْنَا ابْنَتِیْ

یعنی اولاد ماں کی منسوب ہوتی ہے اپنے باپ کے نزر شتہ داروں کی طرف مگر امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما (کہ وہ میری طرف باوجود نانا ہونے کے اور ماں کی نزقرابت جو باپ کی طرف سے ہے اُس کی طرف منسوب ہے) اِس لیے کہ وہ دونوں میرے بیٹے اور میرے نواسہ ہیں۔ یعنی حقیقۃً نواسے اور حکماً بیٹے ہیں اور آپ ﷺ کا برتاؤ اُن صاحبزادوں سے بیٹوں کا سا تھا اور اِس تخصیص کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں :

(۱) چونکہ جناب رسالت مآب ﷺ کی اولادِ نرینہ نہ تھی پس اولادِ دُختری اُس کے قائم مقام ہوئی۔ یہ ظاہر وجہ ہے۔ (۲) (الف) اِن دونوں صاحبزادوں میں راز کمالی نے حضور ﷺ کی طرف سے ایسا اثر کیا کہ جو میرات لڑکوں کو باپ سے ملتی ہے اُن پر وہ راز غالب آ گیا۔ پس اس اعتبار سے یہ نسبت حضور ﷺ کی طرف صحیح ہوئی اور میراث سے مراد کمال پیدائشی ہے جو مادہ ہے خوش اخلاقی اور معاملاتِ شرعیہ کا۔ چنانچہ یہ تعلق خاص آیت تطہیر اور دوسری مذکورہ روایتوں سے بھی بخوبی ظاہر ہو چکا ہے اور آیت مباہلہ پیشتر گزر چکی ہے۔ (ب) دونوں حضراتِ مذکورین نے یہ سرداری بتوجہ و تعلیم جناب رسول مقبول ﷺ حاصل کی جو مثل فطرتِ کاملہ کے ہوگئی، یہ معنی بھی نسبتِ مذکورہ کے لیے کافی ہیں۔

اور دوسری وجہ سبب باطنی ہے اگر سوائے حضرت فاطمہؓ کے اور لڑکیوں سے بالفرض جناب رسول مقبول ﷺ کا نسب باقی رہتا تو یہ حکم اُن کو شامل نہیں ہوسکتا تھا کیونکہ حضرت فاطمہؓ کے نام کی تصریح مع سباقِ کلام اُس پر واضح دلیل ہے اگرچہ بذاتِ خود تمام اولاد آپ کی معظم ہے مگر کوئی خصوصیت جس کی نسبت ثابت ہوگی وہ اُسی پر مقصور رہے گی جس کے لیے ثابت ہے عام طور پر بغیر دلیل سب اولاد کو اُس میں شرکت محال اور غیر ممکن ہے۔

اور واضح ہو کہ حضراتِ سادات کی لڑکیوں کی اولاد کی بھی بڑی فضیلت ہے جو اور قوموں کو حاصل نہیں اِس لیے کہ وہ اولاد ہیں جناب رسول اللہ ﷺ کی گو خصوصیتِ مذکورہ میں شریک نہیں اور ماں کا بڑا حق ہے اور اولاد اُس کی بھی ہے باپ کی طرف منسوب ہونے سے۔ یہ خیال نہ ہو کہ ماں برائے نام ہے وجہ یہ ہے کہ معتبر حدیث سے دو چند حق ماں کا معلوم ہوتا ہے بہ نسبت باپ کے اور اِس کی علّت یہ ہے کہ ماں بہت خدمت اور شفقت کرتی ہے اور طرح طرح کی مصیبتیں گوارا کرتی ہے۔ اِس شفقت کی وجہ سے اُس کا حق بڑھ گیا جیسے کہ حضرت فاطمہؓ کا نسب شریف نہایت اعلیٰ اور پاکیزہ تر ہے (باقی صفحہ ۵۴)

قسط : ۳ ، آخری

توہینِ رسالت

اور

گستاخانِ رسول ﷺ کا بدترین انجام

﴿ حضرت مولانا مفتی عبدالرؤف صاحب سکھروی ﴾

۞ ۞ ۞

گستاخ یہودی عورت کا انجام :

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک یہودی عورت آنحضرت ﷺ کی شان میں گستاخی اور بدتمیزی کرتی تھی۔ ایک شخص نے اُس کا گلا گھونٹ دیا اور وہ مرگئی۔ نبی اکرم ﷺ نے اِس کا خون بھی معاف کردیا۔ (السیف البتار)

گستاخ رسول..... ابنِ خطل کا قتل :

فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت ﷺ نے اِرشاد فرمایا چار آدمی جہاں ملیں اُنہیں قتل کردیا جائے اگرچہ کعبہ کے پردے کے نیچے ہوں، اِن میں سے ایک عبداللہ ابن خطل اور دوسرا حویرث ابن نقید تھا۔

عبداللہ ابن خطل کے قتل کا حکم اس لیے فرمایا کہ پہلے یہ شخص مسلمان تھا۔ آپ ﷺ نے اِسے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے روانہ کیا اِس کے ساتھ ایک انصاری صحابی اور اُس کا ایک مسلمان غلام بھی تھا جو ابن خطل کی خدمت کیا کرتا تھا۔ رات کو کسی جگہ ٹھہرے تو ابنِ خطل نے اپنے خادم غلام کو حکم دیا کہ وہ اُس کے لیے بکرا ذبح کرکے کھانا تیار کرے اور خود سوگیا۔ جب جاگا تو دیکھا کہ غلام نے کوئی چیز تیار کرکے نہیں رکھی تو غصہ میں اُس نے غلام کو قتل کردیا اور مرتد ہوکر مشرکین مکہ سے جاملا اور وہاں پہنچ کر ابنِ خطل نے دو باندیاں خریدیں جو گانا گاکر نعوذ باللہ آپ کی ہجو کرتی تھیں اور یہ اِس سے لطف اندوز ہوتا تھا۔ اس لیے حضرت زبیر ابن العوام رضی اللہ عنہ نے اُسے قتل کیا جبکہ وہ خانہ کعبہ کے پردہ سے لٹکا ہوا تھا اور اُس کی ایک باندی بھی فتح مکہ کے موقع پر قتل کی گئی جبکہ دوسری باندی فرار ہوگئی جو بعد میں مسلمان ہوگئی۔

اور حویرث بن نقید مکہ مکرمہ میں آپ ﷺ کو شدید ایذاء پہنچایا کرتا تھا اِس لیے یہ بھی قتل کیا گیا۔ اسے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے قتل کیا۔ (فتح الباری)

حضور اکرم ﷺ کی شان میں بدگوئی کرنے والوں کے یہ واقعات وہ ہیں جو حضور ﷺ کے زمانے میں پیش آئے لیکن حضور ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے کے جرم میں انہیں معاف نہیں کیا گیا بلکہ کیفر کردار تک پہنچایا گیا۔

اب چند واقعات وہ لکھے جاتے ہیں جو پاکستان بننے سے پہلے انگریزی دورِ حکومت میں واقع ہوئے اور غازیانِ اسلام نے اِن شاتمانِ رسول ﷺ کو جہنم رسید کیا اور خود بھی جامِ شہادت نوش کیا۔

راج پال ہندو کی توہین رسالت :

۱۹۲۳ء کو لاہور میں راج پال ہندو نے رُسوائے زمانہ کتاب ''رنگیلا رسول'' شائع کی جس میں حضور اکرم ﷺ کی شان میں بڑی توہین کی گئی تھی۔ جب یہ کتاب چھپ کر بازار میں آئی تو مسلمانوں میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ مسلمان زعماء نے حکومت سے اِس کتاب کی فوری ضبطی اور اِس کے ناشر کو قرارِ واقعی سزا دینے کا مطالبہ کیا جس پر راج پال کے خلاف فرقہ وارانہ منافرت پھیلانے کے جرم میں مقدمہ چلایا گیا۔ لاہور کے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے ملزم کو چھ ماہ قید کی سزا دی لیکن اُس وقت شادی لال جیسا متعصب چیف جسٹس تھا اُس کے ایماء پر راج پال ملزم کو سزا سے بری کر دیا گیا جس نے مسلمانوں کی آتش غضب کو اور بھڑکا دیا۔

چنانچہ ۲۴ ستمبر ۱۹۲۷ء کو جب ملعون راج پال اپنی دکان پر موجود کاروبار میں مشغول تھا۔ ایک مردِ مجاہد خدا بخش نے جو اندرون یکی گیٹ لاہور کا رہنے والا تھا، اُس خبیث پر تیز دھار دار چاقو سے حملہ کر کے اُسے زخمی کر دیا لیکن اِس بدبخت نے اُس وقت بھاگ کر اپنی جان بچالی۔ غازی خدا بخش کو زیر دفعہ ۳۰۷ الف تعزیراتِ ہند گرفتار کر لیا گیا اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ لاہور سی ایم بی اوگلوی کی عدالت میں اس کے مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔ غازی خدا بخش نے اپنی طرف سے وکیل صفائی مقرر کرنے سے انکار کر دیا۔ راج پال مستغیث نے عدالت میں بیان دیتے ہوئے کہا : ''مجھ پر یہ حملہ'' کتاب ''رنگیلا رسول'' کی اشاعت اور مسلمانوں کے ایجی ٹیشن کی وجہ سے کیا گیا ہے اور مجھے خطرہ ہے کہ ملزم خدا بخش اب بھی مجھے جان سے مار دے گا کیونکہ حملہ کے وقت ملزم چلایا تھا۔ ''کافر کے بچے! آج تو میرے ہاتھ آیا ہے میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا''۔ عدالت کے استفسار پر اس مردِ

غازی نے گرج دار آواز میں کہا ''میں مسلمان ہوں، ناموسِ رسالت کا تحفظ میرا فرض ہے، میں اپنے آقا کی توہین ہرگز برداشت نہیں کرسکتا''۔

پھر راج پال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''اس نے میرے رسول کی شان میں گستاخی کی تھی اِس لیے میں نے اِس پر قاتلانہ حملہ کیا لیکن یہ کم بخت اُس وقت میرے ہاتھ سے بچ نکلا''۔ اقرار جرم کے بعد غازی خدا بخش کو سات سال قید سخت سنائی گئی۔

غازی عبدالعزیزؒ :

اِس واقعہ کے چند دن بعد ایک اور مرد غازی عبدالعزیزؒ نے جو افغانستان سے اپنے سینہ میں اِس دشمن اسلام راج پال کے خلاف غصہ کی آگ لے کر لاہور پہنچا تھا۔ ۱۹/اکتوبر ۱۹۲۷ء کی شام راج پال کی دکان پر آیا۔ اتفاقاً اُس وقت راج پال کا ایک دوست سوامی ستیانند بیٹھا تھا جسے غازی عبدالعزیزؒ نے شاتم رسول سمجھ کر چاقو سے حملہ کر کے زخمی کر دیا، پولیس نے جائے واردات پر پہنچ کر غازی عبدالعزیز کو گرفتار کرلیا۔ عدالت نے اس مردِ مجاہد کو بھی وہی سزا دی جو غازی خدا بخش کو دی گئی تھی، جسے بھگت کر یہ دونوں غازی جیل سے سرخرو ہو کر نکلے۔

غازی علم الدین شہیدؒ کا راج پال پر حملہ :

علم الدین ایک محنت کش نجار ''طالع مند'' کا بیٹا تھا۔ جب علم الدین پیدا ہوا تو اُس کی ماں کی گود میں دیکھ کر ایک فقیر نے بشارت دی کہ تم لوگ بڑے ہی خوش نصیب ہو کہ ایسا نیک بخت بچہ تمہارے گھر پیدا ہوا ہے۔ علم الدین نے قرآن مجید کی ابتدائی تعلیم اپنے محلّہ کی مسجد میں حاصل کی جو اُس زمانہ میں بازارِ سرفروشاں کے نام سے مشہور تھا۔ جب یہ بچہ ذرا بڑا ہوا تو باپ نے جلدی اِسے اپنے ساتھ کام پر لگایا، جس میں اُس نے بڑی جلدی مہارت حاصل کرلی۔

علم الدین کا ایک بچپن کا ساتھی عبدالرشید تھا جسے سب پیار سے ''شیدا'' کے نام سے پکارتے تھے۔ شیدا کے والد کی دکان مسجد وزیر خان کے سامنے واقع تھی۔ ایک دن دونوں دوست گھر سے شام کے وقت جب مسجد وزیر خان پہنچے تو وہاں ایک جلسۂ عام میں شیطان راج پال کے خلاف تقریریں ہو رہی تھیں جس میں یہ اعلان ہو رہا تھا کہ مسلمان اپنی جانیں قربان کر دیں گے لیکن اِس مردود راج پال کو زندہ نہیں چھوڑیں گے۔ یہ تقریریں کر دونوں دوست تڑپ اُٹھے۔ گھر آ کر علم الدین نے اپنے والد طالع مند سے پوچھا :

سوال : کیا کوئی شخص جو ہمارے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کرے زندہ رہ سکتا ہے؟

جواب : باپ نے جواب دیا : بیٹا مسلمان اُسے زندہ نہیں چھوڑیں گے۔

سوال : کیا اُسے مارنے والے کو سزا ملے گی؟ علم الدین نے باپ سے دریافت کیا۔

جواب : ہاں بیٹا! یہاں گوروں کے قانون کے مطابق اُس کو پھانسی کی سزا ملے گی۔

اُسی رات علم الدین نے دیکھا کہ خواب میں ایک بزرگ نمودار ہوئے ہیں اور اُس سے کہہ رہے ہیں: علم الدین دشمن نے تمہارے نبی ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے تم ابھی تک سو رہے ہو، اُٹھو اور جلدی کرو۔

یہ خواب دیکھ کر وہ فدائی رسول ﷺ فوراً اُٹھ بیٹھا اور اپنے اَوزار لے کر صبح سویرے اپنے دوست شیدا کے گھر پہنچا اور وہاں سے دونوں دوست بھاٹی دروازے کے سامنے والے کھلے میدان میں جا پہنچے۔ علم الدینؒ نے وہاں رازدارانہ طریقہ سے اپنے دوست ''شیدا'' کو رات والا خواب سنایا تو اُس کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی کیونکہ اِس نے بھی گزشتہ رات یہی خواب دیکھا تھا۔ اب دونوں دوستوں میں تکرار ہونے لگی۔ دونوں کا اصرار تھا کہ اِس موذی کو مارنے کے لیے اُسے بشارت ہوئی ہے۔ آخر طے پایا کہ قرعہ ڈالا جائے، اس میں جس کا نام آئے وہی اِس کام کو سرانجام دے۔ تین بار قرعہ ڈالا گیا اور ہر بار قرعۂ فال طالع مند کے خوش نصیب فرزند علم الدین کا نام نکلا، جس پر اِس کا چہرہ خوشی سے چمک اُٹھا۔ شیدا کو اپنے اِس دوست کی خوش بختی پر رشک آیا۔ اُس نے علم الدین کو اِس کامیابی پر مبارک باد دی جس کے بعد دونوں دوست ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ وہاں سے علم الدین سیدھے گھر پہنچے وہ گھر آ کر کچھ دیر کے لیے لیٹ گئے تو ذرا دیر کے لیے اُن کی آنکھ لگ گئی۔ کیا دیکھتے ہیں کہ وہی بزرگ دوبارہ نمودار ہو کر اُن سے کہہ رہے ہیں :

''علم الدین یہ وقت سونے کا نہیں بلکہ جس کام کے لیے تمہیں چن لیا گیا ہے اُس کی تکمیل کے لیے فوراً پہنچو ورنہ بازی کوئی اور لے جائے گا۔''

جس پر وہ ایک بار پھر اپنے دوست شیدا کے پاس الوداعی ملاقات کے لیے پہنچے۔ اُسے اپنی کچھ چیزیں بطورِ یادگار دیں اور دوبارہ گھر پہنچ کر انہوں نے اپنے منصوبے کی تکمیل کا پروگرام اپنے ذہن میں مرتب کر لیا اور گھر میں کسی سے اِس بارے میں کوئی بات نہیں کی۔ اس ڈر سے کہ کہیں خون اور قرابت کے رشتے اِس راہ میں حائل نہ ہو جائیں۔ اِس دن انہوں نے غسل کیا، سرخ دھاری دار قمیص اور سفید شلوار پہنی، سر پر پگڑی باندھی، صاف اور

سجل لباس پر خوشبو لگائی، اِس سے قبل اُنہوں نے اپنی ماں سے میٹھے چاول کی فرمائش کی تھی جسے باپ بیٹے نے مل کر تناول کیا۔ باپ کے کسی کام پر جانے کے بعد علم الدینؒ نے اپنی معصوم بھتیجی کے ماتھے کو سوتے میں بڑے پیار سے چوما اور اپنی بھابھی سے کچھ پیسے لے کر اِس سج دھج سے خوشی خوشی اپنی مہم پر روانہ ہو گئے مگر کسی کے ذہن میں یہ بات نہ آئی کہ علم الدینؒ نے آج کے دن یہ سارا اہتمام کیوں کیا ہے؟ گھر سے گمٹی بازار پہنچ کر وہاں آتما رام کباڑیئے کی دکان سے ایک روپیہ میں ایک لمبا چاقو خریدا اور اِسے شلوار کے نیفہ میں رکھ لیا، پھر وہ سیدھے دوپہر کے وقت انارکلی ہسپتال روڈ، راج پال کی دُکان کے سامنے والی ٹال پر پہنچے۔

جوں ہی ٹال والے جوان نے علم الدین کو بتلایا کہ وہ منحوس دکان کے اندر داخل ہوا ہے تو وہ اپنے شکار کے تعاقب میں دکان کے اندر پہنچ گئے اور اُسے دیکھتے ہی اِن کی آنکھوں میں خون اُتر آیا، اِس کے ساتھ ہی اِن کے اندر عقابی رُوح بیدار ہوئی اور انہیں اپنی منزل آسمانوں میں نظر آنے لگی۔ چیتے کی سی پھرتی کے ساتھ جھپٹ کر علم الدینؒ نے راج پال خبیث کے سینے میں چاقو پیوست کر دیا، جو اُس کے دل کو چیرتا ہوا نکل گیا۔ یہ ضرب ایسی کاری ثابت ہوئی کہ وہ مردود زخموں کی تاب نہ لا کر اَوندھے منہ زمین پر گر پڑا اور وہیں اُس نے دم توڑ دیا۔ اس طرح اس بدبخت کو کیفر کردار پہنچانے کے بعد غازی علم الدینؒ جب دکان سے باہر نکلے تو مقتول کے ملازمین نے ''ماردیا ماردیا'' کا شور مچانا شروع کر دیا، جس پر قریب کے ایک ہندو دکاندار سیتارام کے لڑکے اور اس کے ساتھیوں نے آ کر پیچھے سے اِس نوجوان غازی کو پکڑ لیا، جس پر علم الدینؒ نے کہا ''آج میں نے اپنے رسول ﷺ کا بدلہ لے لیا''، ''آج میں نے اپنے رسول ﷺ کا بدلہ لے لیا''۔ اس عرصہ میں پولیس بھی جائے واردات پر پہنچ گئی جس نے غازی علم الدین کو گرفتار کر لیا اور ۱۰ اپریل ۱۹۲۹ء کو مسٹر لوئیس ایڈیشنل مجسٹریٹ لاہور کی عدالت میں علم الدینؒ کے خلاف زیر دفعہ ۳۰۲ تعزیراتِ ہند مقدمہ قتل کی کارروائی شروع ہوئی۔

مقدمہ کی سماعت کے دوران علم الدینؒ کے چہرے پر معصوم مسکراہٹ کھیلتی رہی۔ شہادت قلم بند ہونے کے بعد سرسری بحث کے بعد مقدمہ سیشن کے سپرد ہوا۔ سیشن کورٹ نے ۲۲ مئی ۱۹۲۹ء کو سزائے موت کا فیصلہ سنایا اور مسل حسب ضابطہ توثیق کے لیے لاہور ہائی کورٹ بھجوائی گئی۔

والدین کے حکم کی تعمیل میں علم الدین کی جانب سے بھی اس فیصلہ کے خلاف اپیل دائر کی گئی جس کی پیروی اُس وقت کے چوٹی کے قانون دان اسلامیان ہند کے رہنما قائداعظم محمد علی جناح نے کی۔ قائداعظم کی

بحث کا سب سے اہم نکتہ یہ تھا کہ راج پال نے ''رنگیلا رسول'' جیسی قابل اعتراض کتاب شائع کر کے پیغمبر اسلام کی توہین کی ہے جسے کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا، چونکہ یہ کتاب اشتعال انگیزی کا سبب بنی اِس لیے ملزم نے قتل عمد کا ارتکاب نہیں کیا لہٰذا اِسے سزائے موت نہیں دی جا سکتی۔ اِس کے جواب میں وکیل سرکار رام لال نے منجملہ دیگر دلائل کے یہ موقف اختیار کیا کہ پیغمبر اسلام کی اہانت واقعی افسوسناک بات ہے لیکن تعزیراتِ ہند میں اِس جرم کی کوئی سزا مقرر نہیں اس لیے مقتول نے کوئی خلاف قانون حرکت نہیں کی تھی چنانچہ ملزم کا یہ فعل اشتعال انگیزی کی تعریف میں نہیں آتا اور اُس نے سیشن کورٹ کی سزائے موت کا فیصلہ بحال رکھا۔ جب یہ فیصلہ غازی علم الدین کو سنایا گیا تو وہ مارے خوشی کے چیخ اُٹھے اور کہا :

''اِس سے بڑھ کر میری اور کیا خوش نصیبی ہوگی کہ مجھے شہادت کی موت نصیب ہو رہی ہے اور بارگاہِ رسالت میں حاضری کی سعادت سے بھی مجھے سرفراز کیا جا رہا ہے''۔

جب اِن کا غمگسار دوست ''شیدا'' ان سے ملاقات کے لیے میانوالی جیل پہنچا تو اُسے غمگین دیکھ کر علم الدینؒ نے کہا :

''یار! آج تجھے تو میری طرح خوش ہونا چاہیے۔ اپنے آقا کے نام پر کٹ مرنا ہی ایک مسلمان کی سب سے بڑی آرزو ہے اور اللہ پاک کی یہ کتنی بڑی کرم نوازی ہے کہ ہزاروں لاکھوں مسلمانوں میں سے اپنے اِس حقیر بندے کے ہاتھوں اس ناپاک شیطان کو ختم کرایا اور دیکھو رسول کریم ﷺ پر قربان ہونے کی میری دِلی مراد بھی پوری ہو رہی ہے۔ اس لیے تمام مسلمان بھائیوں تک میری یہ بات پہنچا دو کہ وہ میری موت پر غم نہ کریں بلکہ میرے لیے دُعائے خیر کریں''۔

والدین اور عزیز و اقارب سے آخری ملاقات کے موقع پر اپنی والدہ سے کہا کہ وہ اِن کا دودھ بخش دے۔ ماں کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر کہنے لگے :

''ماں دیکھ تو کتنی خوش نصیب ہے کہ تیرے بیٹے کو شہادت کی موت مل رہی ہے مجھے تو ہنسی و خوشی رُخصت کرنا چاہیے''۔

پھر علم الدینؒ نے پیالہ سے پانی پیا اور اسی پیالہ سے اپنے عزیزوں اور والد طالع مند کو پانی پلا کر پوچھا

کہ انہیں بھی اِس سے ٹھنڈک پہنچی ہے! سب نے جب اثبات میں جواب دیا تو کہنے لگے: مجھے تو جگر تک ٹھنڈک محسوس ہو رہی ہے، پھر اِن سب سے کہا کہ کوئی ان کی موت پر آنسو نہ بہائے ورنہ انہیں اِس سے تکلیف ہوگی۔

جیل کے حکام کو وصیت نامہ میں اپنے عزیزوں کے لیے یہ بات بطور خاص لکھوائی کہ اِن کے پھانسی پر چڑھنے سے وہ بخشے نہیں جائیں گے بلکہ ہر ایک اپنے اعمال کے مطابق جزا اور سزا کا حقدار ہوگا اور انہیں تاکید کی کہ وہ نماز نہ چھوڑیں اور زکوٰۃ برابر ادا کریں اور شرع محمدی ﷺ پر قائم رہیں۔

انجام کار ۳۱؍اکتوبر ۱۹۲۹ء کو وہ دن آ پہنچا جس کے لیے علم الدین کی جان بے تاب تڑپ رہی تھی۔ رات اِس جوان شب زندہ دار نے ذکر الٰہی اور تہجد میں گزاری اور طلوع سحر پر انتہائی خشوع و خضوع کے ساتھ نماز فجر ادا کی۔ اجل مجسٹریٹ، داروغۂ جیل اور مسلح سپاہیوں کے ہمراہ استقبال کے لیے کوٹھڑی کے دروازے پر موجود تھا۔ مجسٹریٹ نے اِس مردِ غازی سے پوچھا: کوئی آخری خواہش، تو کہا: ''صرف دو رکعت نماز شکرانہ کی مہلت'' اجازت ملنے پر سجدۂ شکر ادا کرنے کے بعد سرخوشی کے عالم میں وہ اُن کے ساتھ سوئے دار چل پڑے، اُس وقت جیل کے قیدی اپنی اپنی کوٹھڑیوں اور بارکوں میں اِس فدائی رسول ﷺ کی آخری جھلک دیکھنے کے لیے تعظیماً کھڑے تھے۔ رفیقانِ زنداں کو الوداع اور سلامِ آخر کہتے ہوئے مقتل میں پہنچ کر جب تختۂ دار کو دیکھا تو فرطِ مسرت سے جھوم اُٹھے۔ پھر ساعت سعید کو قریب دیکھ کر تیزی سے تختۂ دار کی طرف بڑھے اور شوق میں چاہا کہ پھانسی کے پھندے کو جو وصالِ حبیب کا مژدۂ جاں فزا لے کر نمودار ہوا تھا خود اپنے ہاتھوں سے گلے میں ڈال لیں، لیکن اسے خلافِ شریعت جان کر فوراً رُک گئے اور حاضرین سے مخاطب ہو کر کہا:

> ''لوگو! گواہ رہنا۔ میں نے ہی راج پال کو حرمت رسول ﷺ کی خاطر قتل کیا تھا اور آج اپنے نبی پاک ﷺ کا کلمہ پڑھتے ہوئے اِن کے خاطر اپنی جان نثار کر رہا ہوں''۔
>
> یہ کہتے ہوئے اس نوجوان پروانۂ نبوت نے دار و رسن کو چوم کر اپنی جان عزیز ناموسِ مصطفیٰ ﷺ پر نچھاور کر دی۔

جیل کے حکام نے اپنے افسران بالا کی ایماء پر علم الدین شہیدؒ کی نعش کو اُن کے والد اور عزیز و اقارب اور سینکڑوں مسلمانوں کے حوالہ کرنے سے انکار کر دیا جو جیل سے باہر اِسے لے جانے کے لیے منتظر کھڑے تھے، اس بے تدبیری کی وجہ سے مسلمانوں کے جذبات مشتعل ہو گئے۔

لیکن نقضِ امن کے اندیشہ کے پیشِ نظر جیل کے کارندوں نے حکومت کی خفیہ ہدایات پر شہید نبوت کی لاش کو نہایت خاموشی کے ساتھ عجلت میں جیل کے احاطہ میں عام قیدیوں کے قبرستان کے اندر دفن کر دیا، جس نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔

لاہور اور دوسرے شہروں میں ہڑتالیں شروع ہوئیں، کاروبار معطل ہو گیا، برہنہ پا اور برہنہ سر ماتمی جلوس نکلنے لگے اور مسلمانوں میں شدید ہیجان پیدا ہو گیا، اس پر اکابرین وقت جن میں علامہ اقبال پیش پیش تھے۔ سر محمد شفیع، جناب محسن شاہ والد محترم جناب جسٹس ڈاکٹر نعیم حسن شاہ چیف جسٹس پاکستان اور دوسرے قائدین کے ہمراہ گورنر سے ملے اور اپنے جواں سال شہید کی لاش کو مسلمانوں کے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا جو اِس یقین دہانی پر کہ وہ امنِ عامہ برقرار رکھنے کے ذمہ دار ہوں گے۔ حکومت نعش اِن کے حوالہ کرنے پر رضامند ہو گئی۔ چنانچہ تدفین کے تیرھویں دن مسلمان مجسٹریٹ اور میونسپل کمشنروں کی موجودگی میں شہید کی میت قبر سے نکالی گئیں۔ عینی شاہدوں کا بیان ہے کہ کئی دِن گزر جانے کے باوجود لاش صحیح اور سالم حالت میں موجود تھی اور یوں محسوس ہوتا تھا کہ ابھی آنکھ لگی ہے۔

۱۴ نومبر ۱۹۲۹ء کو سارے شہر اور اُس کے گردونواح سے ہزاروں لاکھوں انسانوں کا ایک سیلِ بے پناہ فدائی رسول ﷺ کے استقبال کے لیے رواں دواں تھا۔ مسجد وزیر خان کے خدا ترس خطیب مولانا محمد شمس الدین نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مولانا ظفر علی خان نے اس شہید رسالت کی لحد میں تدفین سے قبل اُتر کر کہا: ''کاش یہ سعادت مجھے نصیب ہوتی!'' شہید کے جسم کو اشکبار آنکھوں سے علامہ اقبال جیسے شیدائی رسول نے قبر میں اُتارا جس پر علامہ کی زبان سے بے اختیار نکل گیا ''یہ جوان ہم سب پڑھے لکھوں سے بازی لے گیا''۔

غازی عبدالقیوم شہیدؒ اور نتھو رام کا قتل :

غازی عبدالقیوم کا واقعۂ شہادت بڑا ہی ایمان افروز واقعہ ہے۔ اس نوجوان مردِ مجاہد کا تعلق غازی آباد ضلع ہزارہ کے ایک غریب گھرانے سے تھا لیکن کسے خبر تھی کہ ایک دن تختِ ہزارہ کی شہ نشینی سے بھی اُونچا مرگ باشرف کا رُتبۂ شہادت اِسے نصیب ہوگا۔ اپنے گاؤں سے وہ تلاش روزگار میں کراچی آیا جہاں اِسے رزق حلال کے لیے گھوڑا گاڑی مل گئی جس کی آمدن سے وہ اپنی بوڑھی ماں، بیوہ بہن اور ضعیف چچا اور نو بیاہتا بیوی کی کفالت کر رہا تھا۔ نماز فجر اور عشاء کی نماز وہ اپنے محلّہ کی مسجد میں پڑھا کرتا تھا۔ ایک روز امام مسجد نے اہل مسجد کو اشکبار

آنکھوں سے بتلایا کہ ایک خبیث ہندو نتھورام نے آقائے نامدار ﷺ کی شان میں گستاخی کی ہے۔ غازی عبدالقیومؒ نے جب یہ بات سنی تو تڑپ اٹھا اور اُس کے تن بدن میں ایک آگ سی لگ گئی۔ اُسی وقت اُس نے صحن مسجد میں اپنے رب سے عہد کیا کہ وہ اِس کافر کمینہ کو زندہ نہیں چھوڑے گا۔

یہ نتھورام آریہ سماجی ہندو تھا جس نے ۱۹۳۳ء میں ''ہسٹری آف اسلام'' نامی ایک کتاب لکھی جس میں اُس نے اسلام اور پیغمبر اسلام کی ذاتِ اقدس کو ہدف تنقید و ملامت بنایا اور شان رسالت میں گستاخانہ اور توہین آمیز الفاظ استعمال کیے تھے جس سے مسلمانوں میں ہیجان پیدا ہوا اور سارے شہر میں غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ حکومت نے نقض امن کے اندیشہ سے ملزم کے خلاف فوجداری مقدمہ قائم کر کے اِسے ایک سال قید اور جرمانہ کی سزا دی لیکن مارچ ۱۹۳۴ء میں اس فیصلہ کے خلاف اپیل پر کراچی کے جوڈیشنل کمشنر نے اِس کی عبوری ضمانت منظور کر لی۔ نتھورام کا مقدمہ سماعت کے لیے جس دن سندھ چیف کورٹ کے دو انگریز ججوں کی بینچ کے سامنے پیش ہونا تھا، اُس دن نتھورام اپنے وکلاء اور ساتھیوں کے ساتھ ہنسی مذاق کرتا ہوا کورٹ رُوم میں داخل ہوا۔ عدالت کے باہر ہندو اور مسلمان بڑی تعداد میں فیصلہ سننے کے لیے کھڑے تھے۔ مقدمہ کی سماعت سے کچھ دیر قبل شہ عرب و عجم کا یہ نوخیز غلام عبدالقیوم کمرہ عدالت میں اِس ہندو مصنف نتھورام کے قریب پہنچنے میں کامیاب ہو گیا اور اپنے شکار پر نظریں جمائے بیٹھا تھا، موقع پاتے ہی اپنے نیفہ میں سے چھپا ہوا تیز دھار خنجر نکال کر عقاب کی طرح وہ اِس پر جھپٹا اور اِس ملعون کے پیٹ میں خنجر جھونک کر اِس کی آنتیں باہر نکا دیں۔ نتھورام منہ کے بل زمین پر گر پڑا تو اِس خیال سے کہ کہیں وہ زندہ بچ نہ جائے، اُس نے پوری قوت سے ایک اور وار اُس کی گردن پر کیا اور اُس کی شہ رگ کاٹ دی۔ اس طرح اس خبیث کا کام تمام کرنے کے بعد نہایت اطمینان اور سکون سے اُس نے اپنے آپ کو گرفتاری کے لیے پیش کر دیا۔ عدالت میں اس واقعہ سے بھگدڑ مچ گئی اور جج بھی اس اچانک واردات سے خوفزدہ اور سراسیمہ ہو گئے۔

عبدالقیومؒ کے مقدمۂ قتل کے دوران جب ملزم کا بیان قلم بند کرتے ہوئے ایک انگریز جج نے اِس مرد غازی سے دریافت کیا کہ اُسے اِس بھری عدالت میں اس طرح واردات کی جرأت کیسے ہوئی تو اُس نے عدالت میں آویزاں جارج پنجم کی تصویر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''تم اپنے بادشاہ کی توہین برداشت نہیں کر سکتے، ہم اپنے دین اور دُنیا کے شہنشاہ کی شان میں گستاخی کرنے والے کو کیسے معاف کر دیتے''۔ اِس موذی کو ہلاک

کرنے کے بعد نہایت حقارت کے ساتھ اِس کی لاش پر تھوکتے ہوئے اس نے کہا تھا: ''اِس خنزیر کے بچے نے میرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین کی تھی اِس لیے میں نے اِسے قتل کیا ہے'' اس نے اپنی طرف سے وکیل صفائی پیش کرنے سے انکار کر دیا، اقبالِ جرم پر سیشن کورٹ سے غازی عبدالقیوم کو سزائے موت سنائی گئی تو وہ نوجوان مردِ مجاہد اپنی خوشی اور مسرت ضبط نہ کر سکا اور بے اختیار اِس کی زبان سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی صدا بلند ہوئی۔ مسلمانوں نے جب اِس فیصلہ کے خلاف اپیل کرنا چاہی تو اُس نے ان سب کی منت سماجت کرتے ہوئے کہا: آپ لوگ مجھے دربارِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کی سعادت سے محروم کرنا چاہتے ہیں'' اور وہ اِس شعر کی مجسم تصویر بنا ہوا تھا ؎

دل پہ لیا ہے داغِ عشق کھو کے بہارِ زندگی
اِک گلِ تر کے واسطے میں نے چمن لٹا دیا

فیصلہ جب توثیق کے لیے عدالتِ عالیہ کے سپرد ہوا اور اِس مردِ غازی کی خواہش کے خلاف قانون کی توضیح اور تشریح کے لیے اپیل دائر کر دی گئی تو اپیل کی سماعت کے دوران ہر پیشی پر اِس محمد کے غلام کے دیدار کے لیے مسلمانوں کا بے پناہ ہجوم موجود ہوتا جو اِس پر گل پاشی کیا کرتا تھا۔ بالآخر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے اور اِسے بھی دوسرے غازیانِ ملت کی طرح سزائے موت سنائی گئی جس کے لیے وہ بے چین اور مضطرب رہتا تھا اور یہی پروانۂ موت اِس کے لیے حیاتِ جاوید لے کر آیا۔ جب سزائے موت اس کو سنائی گئی تو اس نے ججوں سے مخاطب ہو کر کہا :

''مجھے اپنی خوش قسمتی پر ناز ہے کہ میرے ہاتھوں وہ خبیث جہنم رسید ہوا، اور میرے رب نے مجھے شہادت جیسی نعمت سے سرفراز کیا۔ یہ ایک جان کیا چیز ہے اگر ایسی ہزاروں جانیں بھی ہوں تو وہ سب میرے آقا اور مولا پر قربان ہیں''۔

اس طرح اس مردِ غازی کے لیے جو کچھ عرصہ قبل عروسِ نو بیاہ کر لایا تھا آج انشاءاللہ حورانِ جنت در ہائے فردوس میں اِس کے استقبال کے لیے کھڑی تھیں۔

یہ بھی ایک عاشق کا جنازہ تھا۔ اس لیے بڑی دھوم سے نکلا اور ہزاروں مسلمان جب میوشاہ کے قبرستان اس شہید وفا کے جنازے کو لے جا رہے تھے ایسے میں حکومت افرنگ کے فرعون مزاج فوجیوں نے عاشقان

ناموس رسول ﷺ کے اس ہجوم پر اچانک گولیوں کی بوچھاڑ کر دی جس کے نتیجہ میں سینکڑوں مسلمان شہید اور زخمی ہوئے۔ معصوم عورتیں اور بچے جو مکانوں کی چھتوں سے اس کا جنازہ دیکھ رہے تھے ان کی شقاوت کا نشانہ بنے اور اس دن وہ سب شہیدانِ ناموس رسالت اس فدائی رسول ﷺ کے ساتھ انشاء اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں پہنچ گئے ہوں گے۔

غازی محمد صدیق شہیدؒ :

غازی محمد صدیق فیروز پور ضلع قصور کے ایک دینی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ بچپن ہی میں والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا، ماں نے بڑے لاڈ پیار سے بیٹے کی پرورش کی اور ساتھ ساتھ صحیح تربیت تھی۔ ۱۹۳۴ء میں یہ نوخیز بچہ جب بیس برس کا ہوا تو اِسے خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی اور حکم ہوا کہ قصور کے ایک دریدہ دہن گستاخ پالامل زرگر کا منہ بند کیا جائے۔ یہ بشارت ملتے ہی نوجوان غازی تڑپ کر بیدار ہوا تو اُس کے ساتھ اُس کا مقدر بھی جاگ اُٹھا۔ اُس نے ماں کو یہ خوشخبری سنائی تو ماں نے خوشی سے لختِ جگر کا ماتھا چوما اور شہادت کی اُلفت کی طرف اُسے روانہ کیا۔ قصور پہنچ کر اِس مردِ غازی نے اُس گستاخ رسول پالامل کو راستہ ہی میں دبوچ لیا، اُسے پچھاڑ کر اُس کے سینہ پر سوار ہو گئے اور تیز دھار دار آلہ سے پے در پے وار کر کے اِس موذی کو ہلاک کر دیا اور وہاں سے فرار ہونے کے بجائے قریب ہی کی مسجد میں جا کر سب سے پہلے نماز شکرانہ ادا کی اور پھر مسجد کی سیڑھیوں پر اس شان اور تمکنت کے ساتھ بیٹھ گئے کہ کسی ہندو کو اِن کے پاس آنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ فیروز مندی ان کے قدم چوم رہی تھی اور فی الحقیقت اِس سے بڑھ کر اور کیا نمایاں کام ہو سکتا تھا جس پر مسرت اور شادمانی بھی ناز کرے کہ ایک شاتم رسول ﷺ اِن کے ہاتھوں جہنم رسید ہوا۔

حسبِ معمول انگریز قانون حرکت میں آیا اور مردِ مجاہد کا مقدمہ سیشن کے سپرد ہوا۔ غازی موصوف کی جانب سے میاں عبدالعزیز مالوڈہ اور نومسلم بیرسٹر خالد لطیف گابا نے مقدمہ کی پیروی کی لیکن چونکہ آپ نے عدالت کے رُوبرو جرأت کے ساتھ اعتراف قتل کر لیا تھا اس لیے سزائے موت سنائی گئی۔

آفرین ہے اُس ماں پر جس نے ایسے پیکر جرأت و ایثار کو جنم دیا اور آفرین ہے اِس نوجوان مردِ غازی پر جو اپنے آقا و مولا کے نام پر قربان ہو گیا۔ یہ فیصلہ سن کر ماں نے ایک بار پھر اپنے بیٹے کا ماتھا چوما اور کہا کہ یہ ایک بیٹا تو کیا ایسے بیس بیٹے بھی ہوتے تو میں اُن سب کو اپنے آقا کے نام پر قربان کر دیتی۔ بیٹے نے بھی یہی کہا کہ یہ

ایک جان کیا چیز ہے ایسی ہزار جانیں میرے آقا کی خاک پر نثار ہیں۔ سبحان اللہ!

غازی عبداللہ شہیدؒ :

یہ بھی تقسیم ہند سے قبل اغلباً ۱۹۴۳ء کا واقعہ ہے۔ ایک بد بخت سکھ چلچل سنگھ شیخوپورہ کے گردونواح میں نبی کریم ﷺ کے خلاف بدگوئی کر کے اپنے خبث باطن کا اظہار کرتا پھرتا تھا۔ قصور کے رہنے والے ایک جیالے جوان عبداللہ کو سرکارِ رسالت مآب ﷺ نے خواب میں حکم دیا کہ وہ اِس گستاخ کا منہ بند کرے۔ چنانچہ کسی سے اس خواب کا ذکر کیے بغیر وہ شوریدہ سر آتش بجاں اُٹھ کھڑا ہوا اور اُس مردود کی تلاش میں نکل پڑا۔

معلوم ہوا کہ وہ خبیث وارث شاہ کے گاؤں جنڈیالہ شیر خان میں رہتا ہے جو اُس وقت سکھوں کا گڑھ تھا۔ بستی کے قریب پہنچ کر مزید دریافت پر پتا چلا کہ وہ اپنے کنویں پر بیٹھا کسی کام میں مشغول ہے، اُس کے قریب ہی سکھوں کا جتھہ مصروفِ گفتگو تھا۔ غازی عبداللہ نے ایک نظر میں اُس دشمنِ دین کو پہچان لیا انہیں محسوس ہوا کہ ان کے جسم میں غیری معمولی طاقت بجلی بن کر دوڑ رہی ہے۔ چلچل سنگھ پر وہ جھپٹ کر حملہ آور ہوئے اور اُسے پچھاڑ کر اُس کے سینہ پر چڑھ بیٹھے اور پوری قوت سے اُس کی شہ رگ کاٹ دی اور اُس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ اِس ناگہانی حملہ کو دیکھ کر پاس ہی بیٹھے ہوئے سکھ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے لیکن یہ مردِ غازی اپنے آقا کے فرمان کی تعمیل کے بعد اِس مردود کے لاشہ سے اُٹھا اور وہیں رب کے حضور سربسجود ہوا کہ اُس نے اِس مہم کو کامیاب فرما کر اُسے سرفرازی بخشی اور سرخرو کیا۔

موقع واردات پر جب پولیس پہنچی تو اِس مردِ مجاہد کو وہیں پر موجود پایا جس کا چہرہ خوشی سے چمک رہا تھا۔ پولیس نے گرفتار کر کے دِلی مراد پوری کر دی۔ شیخوپورہ کے معروف وکیل ملک انور مرحوم نے مقدمہ کی پیروی کی لیکن چونکہ غازی عبداللہ نے عدالت کے رُوبرو اعترافِ جرم محبت کر لیا تھا اِس لیے سزائے موت سنائی گئی، تو ایک مرتبہ پھر سجدۂ شکر بجالائے کہ انہیں بھی شہیدانِ رسالت ﷺ کی صف میں جگہ مل رہی ہے جس پر جتنا بھی فخر و ناز کیا جائے کم ہے۔

غازی عبدالرشید شہیدؒ :

غازی عبدالرشید شہیدؒ کا نامِ نامی بھی سرفروشانِ ملت میں ہمیشہ نمایاں رہے گا جس نے آریہ سماج کے بانی سوامی دیانند سرسوتی کے چیلے سوامی شردھانند جیسے خبیث شاتم رسول کو دہلی میں موت کے گھاٹ اُتارا اور

راہِ عشق رسول میں اپنی جان نثار کر کے بارگاہِ نبوت میں سرخرو اور سرفراز ہوا۔ (راج پال سے یہاں تک تمام واقعات ناموس رسالت ﷺ اور قانون توہین رسالت سے بعد ترمیم اخذ کیے ہیں)

راہِ عمل :

خلاصہ یہ کہ ڈنمارک اور یورپین ممالک میں جن لوگوں نے سرکارِ دوعالم ﷺ کے گستاخانہ خاکے بنائے اور شائع کیے ہیں وہ سخت گناہ گار اور سنگین جرم کے مرتکب ہیں۔ قرآن وسنت کی روشنی میں اگر وہ توبہ نہ کریں تو اُن کو قتل کرنا جائز ہے اور اُن کو قتل کرنا اصلاً تو حکومت کا کام ہے لیکن اگر کوئی مسلمان اُن کو قتل کرے گا تو وہ بڑے اجر وثواب کا مستحق ہوگا۔ تاہم اُن کو قتل کرنا ہر شخص کے اختیار میں نہیں۔ ہاں درج ذیل کام اختیار میں ہیں اس لیے اُن کو کرنا چاہیے :

1- غیرت ایمانی کے تقاضے کے مطابق اُن کی مصنوعات کا بائیکاٹ کرنا۔

2- اُن کے خلاف پرامن احتجاج کرنا۔

3- دوسروں کے جان ومال کو نقصان پہنچانے سے مکمل اجتناب کرنا۔

مذکورہ اُمور میں سب سے مؤثر اُن کا اقتصادی بائیکاٹ ہے۔ اگر تمام مسلمان مل کر اُن کی مصنوعات کو خریدنا، بیچنا اور استعمال کرنا چھوڑ دیں تو کچھ ہی عرصہ میں اُن کو دن میں رات کے تارے نظر آجائیں گے۔ اور انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ وہ ایسی گستاخی کا ارتکاب نہ کریں گے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو عمل کی توفیق دے۔ آمین۔

واللّٰہ الموفق والمعین آمین وصلی اللّٰہ تعالٰی علی النبی الکریم محمد والہ واصحابہ اجمعین الٰی یوم الدین .

بندہ عبدالرؤف سکھروی

خادم دارالافتاء جامعہ دارالعلوم کراچی

۱۱ر صفر المظفر ۱۴۲۷ھ

وفیات

گزشتہ ماہ محترم الحاج ریاض احمد صاحبؒ جو سلسلہ قادریہ مجددیہ غفوریہ رحیمیہ کے بزرگ تھے، طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. بانی جامعہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے مرحوم کو بہت زیادہ قلبی لگاؤ تھا۔ انتہائی ملنسار اور خلیق بزرگ تھے۔ اللہ تعالیٰ اُن کی دینی خدمات کو قبول فرما کر جوارِ رحمت میں جگہ عطاء فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق نصیب ہو۔ آمین۔

گزشتہ ماہ ۱۱ رمئی کو ایڈووکیٹ جناب رشید مرتضیٰ صاحب قریشی طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. ملک بھر میں مرحوم جانی پہچانی شخصیت کے مالک تھے۔ برملا کلمہ حق کہنا اور اہل حق کا ساتھ دینا اُن کی شناخت بن چکی تھی۔ خاص طور پر ختم نبوت کے لیے ہر وقت حاضر باش تھے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی دینی خدمات کو شرف قبولیت عطاء فرماتے ہوئے اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطاء فرمائے اور اُن کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق نصیب فرمائے۔ آمین۔

گزشتہ ماہ ۱۲ رمئی کو کریم پارک میں مقیم جناب عبدالواجد صاحب کی جواں سالہ اہلیہ بچے کی وِلادت کے موقع پر وفات پا گئیں اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. اس ناگہانی حادثہ پر اہل ادارہ پسماندگان سے تعزیتِ مسنونہ پیش کرتے ہوئے اُن کے غم میں برابر کے شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو شہادت کے منصب سے سرفراز فرمائے۔ اُن کے معصوم بچوں کی کفالت اور پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔ آمین۔

جامعہ مدنیہ جدید اور خانقاہِ حامدیہ میں جملہ مرحومین کے لیے ایصالِ ثواب اور دُعائے مغفرت کرائی گئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔ آمین۔

بسلسلہ اصلاحِ خواتین

عورتوں کے عیوب اور اَمراض

﴿ از اِفادات : حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ﴾

حبِ جاہ کا مرض :

دوسرا مرض عورتوں میں حبِ جاہ ہے اور یہ مرض مردوں میں بھی ہے مگر دوسرے رنگ کا۔ مرد بھی اپنے کو بڑا بناتے ہیں مگر اِس کا رنگ اور ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اکثر مردوں میں تو اور کمالات بھی ہوں جیسے علم وغیرہ اِس لیے اِن کا حب جاہ (بڑا بننا) اِس قدر نازیبا (اور برا) نہیں اور عورتوں میں تو یہ بھی نہیں مگر پھر بھی اِن میں حبِ جاہ ہے۔ (غریب الدنیا)

گو یہ عورتیں اپنے کو بڑا نہیں سمجھتیں مگر یہ چاہتی ہیں کہ دوسرے اِن کو بڑا سمجھیں۔ اِن میں اِس کے ساتھ تذلل اور تواضع کی بھی ایک شان ہوتی ہے۔ مگر اِس کے ساتھ عورتیں اِس کی بھی کوشش کرتی ہیں کہ ہم سب سے بڑھی رہیں، بیچاریوں میں کمالات ہوتے نہیں اِس لیے چاہتی ہیں کہ زیور اور سامان بہت ہو، تاکہ دوسروں سے بڑھی چڑھی رہیں۔ جب کہیں جائیں گی تو خوب زیور لاد پھاند کر جائیں گی خواہ مانگا ہوا ہی زیور ہو۔ اور گو دوسروں کو معلوم بھی ہو کہ مانگ کر پہنا ہے۔ یہ اِس لیے کہ ہم کو کوئی کم درجہ نہ سمجھے۔ رات دن اِسی کا اہتمام ہے کہ لیس ہو، گوٹہ ہو، ٹھپہ ہو، لچکہ ہو، کپڑے کی کٹنگ ایسی ہو، جھالر بھی لگا ہوا ہو۔ جہاں تک اِن کے امکان میں ہے بناوٹ کا اہتمام کرتی ہیں۔

اِس کے متعلق اِن میں کمیٹی بھی ہوتی ہے جس میں بڑے بڑے معاملات اِس کے متعلق طے ہوتے ہیں کہ بہن ذرا بتلاؤ کہ کُرتے کے ساتھ کونسا پاجامہ اچھا لگے گا اور اِس جوڑے پر دوپٹہ کونسا ہونا چاہیے۔ یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ اِن کے پاس اچھا خاصا زیور ہے مگر کسی کی بیوی کے پاس کسی اور وضع یا نقشہ کا زیور بنا ہوا دیکھا فریفتہ ہوگئیں۔ اور اُس سے فرمائش کی جاتی ہے کہ بہن ذرا مجھ کو دے دینا میں بھی ایسا ہی بنواؤں گی۔ پھر اُس سے زیور لے کر شوہر سے فرمائش کرتی ہیں کہ ایسا بنوادو۔ اب وہ ہر چند سمجھاتا ہے کہ کیوں اِس کو خراب کرتی ہو اچھا خاصہ بنا بنایا زیور خراب ہو جائے گا، سنار کھوٹ ملادے گا تو چار پیسے کا زیور رہ جائے گا، مگر ایک نہیں سنتیں یہی کہتی

ہیں کہ مجھے تو اِسی نمونہ کا بنوادو کچھ ہی ہو۔ اب وہ بے چارہ اِن کے اصرار پر دلجوئی بھی کرتا ہے۔ آخر وہ کہتا ہے کہ تم جیتی میں ہارا۔ اور اِس پر بھی بس نہیں، اگلے مہینے میں اور کوئی نمونہ سامنے آ گیا تو یہی کہتی ہیں کہ اب یہ نمونہ ہونا چاہیے۔ غرض ہر چیز پر اِن کا عشق ہے بس یہی چاہتی ہیں کہ جیسی چیز اوروں کے پاس ہے ویسی ہی ہمارے پاس ہوجائے۔ شوہر کی ساری کمائی اِن کی زیب وزینت ہی میں صرف ہوتی ہے اور یہ ساری مذکورہ خرابیاں حبِ جاہ اور حبِ مال کی ہیں۔ مردوں میں بھی اور عورتوں میں بھی۔ صرف فرق یہ ہے کہ مردوں میں کسی قدر ضرورتوں پر نظر ہے اور عورتوں میں ضرورتوں پر نظر نہیں۔ (خیر الاثاث للاناث)

تصنع وتکلف وریاکاری :

اصل مرض اپنے کو بڑا سمجھنا اور اِس کی اصل ہے خدا کو بڑا نہ سمجھنا۔ ساری خرابی اِسی کی ہے۔ پس اِس کا علاج کرو نیز اِس سے ایک اور مرض پیدا ہوتا ہے یعنی زیب وزینت کا حال۔ عورتوں کی پرورش ہی زیب وزینت میں ہوتی ہے۔ ان کے اندر ایک خاص شان زیب وزینت کی ہوتی ہے جس میں اِن کی ساری عقل صرف ہوجاتی ہے، آگے علوم وکمالات تک رسائی نہیں ہوتی۔

زینت میں عورتوں کا مزاج یہ ہے کہ خوب زینت کرنا چاہیے۔ کوئی مہمان آجائے تو بڑے بڑے سامان ہوتے ہیں۔ خاصدان جو مہمان کے سامنے ایک مرتبہ گیا تھا دوسری دفعہ پان اس میں نہ جانا چاہیے بلکہ دوسرا خاصدان ہونا چاہیے۔ صرف یہ بات ظاہر کرنے کے لیے کہ ہمارے ہاں خاصدان اور بھی ہیں۔ پھر ایک دفعہ تانبے کا ہو تو دوسری دفعہ اسٹیل وغیرہ کا ہو۔ اسی طرح اور چیزوں کا اندازہ کرلیجئے۔

روزانہ تو گھر کوڑے سے بھرا رہتا تھا۔ مہمان آیا تو صاف کیا (صرف دِکھلانے کے لیے کہ ہم اس طرح صفائی سے رہتے ہیں) غرض ہر بات میں دکھلاوا ہے۔ اِن کا تو مذہب یہ ہے کہ کوئی یوں نہ کہے کہ ایسے ہیں اور ویسے ہیں۔ اور کوئی سے مراد اُن کی مخلوق ہوتی ہے، کاش اللہ تعالیٰ کو بھی اِس میں داخل کیا جاتا (یعنی اللہ تعالیٰ کی بھی ناراضگی اور خوشی کا لحاظ کیا جاتا)۔ (خیر الاثاث للاناث)

اِسی طرح بناؤ سنگار کرکے کہیں جانے کا سبب محض تکبر ہے۔ ہر شخص چاہتا ہے کہ میں بڑا ہوں۔ اس عادت کو بدلیے کیونکہ بڑا بننے کی عادت بہت بری ہے۔ حدیث میں لَایَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ ذَرَّۃٍ مِّنْ کِبْرٍ یعنی جس شخص کے دل میں ذرہ برابر کبر ہوگا وہ جنت میں نہ جائے گا۔ (ملفوظات کمالاتِ اشرفیہ)

ایک اور مرض :

ایک مرض عورتوں میں یہ ہے کہ جب کہیں یہ محفل میں جاتی ہیں تو سب کے لباس اور زیور کو سر سے پیر تک تاک لیتی ہیں تا کہ دیکھیں کہ ہم سے تو کوئی زیادہ نہیں؟ اور ہم کسی سے گھٹے ہوئے تو نہیں، یہ بھی اسی ریا اور تکبر کا شعبہ ہے۔ یہ مرض مردوں میں کم ہے اگر دس آدمی ایک جگہ جمع ہوں تو مردوں میں سے کسی کو اِس کا خیال بھی نہیں ہوتا کہ کسی کا لباس کیسا ہے، اسی لیے مجلس میں اُٹھ کر وہ کسی کے لباس کا حال بیان نہیں کر سکتے اور عورتوں میں سے ہر ایک کو یاد رہتا ہے کہ کس کی بیوی کے پاس کتنا زیور تھا۔ خوب یاد رکھو اس غرض سے قیمتی لباس وغیرہ پہننا جائز نہیں۔ (غریب الدنیا ملحقہ دین ودنیا)

عورتوں کی نگاہ ایسی تیز ہوتی ہے کہ خدا کی پناہ! کہیں محفل میں جائیں گی تو ذرا سی دیر میں سب کے زیور اور لباس پر فوراً نظر پڑ جائے گی۔ اب جب سب کے زیور اور کپڑے دیکھ بھال کر آئیں تو خاوند کو پریشان کرنا شروع کیا کہ ہمیں بھی ایسا ہی بنا کر دو۔ اور غضب یہ کہ اگر وہ زیور جو دوسری کے پاس دیکھا ہے اپنے پاس بھی ہو لیکن دوسرے نمونے کا ہو تب بھی پریشان کرتی ہیں کہ بھدا بنا ہوا ہے فلانی کا نمونہ اچھا ہے ویسا بنوا دو۔ اب اگر خاوند ہزار کہے کہ اِس میں پہلی گھڑائی (بنوائی) کا نقصان ہے اور دوسری گھڑائی خواہ مخواہ ذرا سے نمونہ کے واسطے دینی پڑے گی تو ایک نہیں سنیں گی۔

(بہتر طریقہ یہ ہے کہ) پہلے دفعہ (من چاہی) خوبصورت بنوالو۔ پھر جیسا ہو اُسی پر اکتفا کرلو۔ بار بار تھوڑ پھوڑ میں گھڑائی (بنوائی) ضائع ہونے کے علاوہ خود سونا بھی ضائع ہوتا جاتا ہے۔ کیونکہ سنار ہر دفعہ اِس میں کچھ نہ کچھ کھوٹ ضرور ملاتے ہیں جس سے دو تین دفعہ میں زیور کی مالیت آدھی رہ جاتی ہے۔ مگر عورتوں کی بلا سے وہ جانتی ہیں کہ مرد اور لا لا کر دے گا۔ جو چاہو فرمائش کرلو۔ پھر اِس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مجبوراً خاوند کو رشوت لینی پڑتی ہے تو اکثر رشوت لینے کا سبب یہ عورتیں ہی ہوتی ہیں۔ یہ نہ سمجھیں کہ کمانے میں سارا گناہ مرد کو ہوتا ہے بلکہ یہ بھی اس کے ساتھ عذاب بھگتیں گی۔ (اسباب الغفلۃ)

نبوی لیل ونہار

﴿ حضرت مولانا سعد حسن صاحب ٹونکیؒ ﴾

آنحضرت ﷺ کی خصالِ حمیدہ اجازتِ داخلہ کے بارے میں :

☆ آنحضرت ﷺ کا شانۂ نبوت میں تشریف فرماتے اور کوئی شخص ملاقات کیلئے حاضر خدمت ہوتا اور بصورتِ عام عادت کہتا کہ اندر آجاؤں، تو آپ ﷺ خادم کو حکم دیتے کہ جاؤ اِس کو گھر میں آنے کا قاعدہ سکھاؤ کہ پہلے سلام کرے اور پھر اجازت چاہے۔

☆ اگر کوئی بغیر اجازت چاہے اندر آپ ﷺ کے پاس چلا جاتا تو آپ ﷺ اُس کو واپس کردیتے اور فرماتے کہ جاؤ واپس جاؤ اور سلام کر کے اندر آؤ۔

☆ اگر کوئی شخص آپ ﷺ سے اندر آنے کی اجازت چاہتا، اور حسب قاعدہ آپ ﷺ پوچھتے کون ہے؟ اور وہ حسب قاعدۂ عام کہتا کہ ''میں'' تو آپ ﷺ کی طبع مبارک کو یہ جواب ناپسند ہوتا اور فرماتے کہ ''میں میں'' کیا کرتے ہو یعنی اپنا نام کیوں نہیں لیتے۔

☆ اگر کسی کے ذریعہ کسی شخص کو بلایا جاتا اور وہ شخص لانے والے کے ہمراہ بغیر اجازت چاہے اندر آجاتا تو اُس کو آپ ﷺ بُرا خیال نہیں فرماتے۔

☆ اگر آپ ﷺ خود کسی سے ملاقات کیلئے تشریف لے جاتے تو عادتِ طیبہ تھی کہ تین مرتبہ سلام کر کے اجازتِ داخلہ طلب فرماتے، اگر جواب نہ ملتا تو واپس تشریف لے جاتے۔

☆ آنحضرت ﷺ کی عادتِ محمودہ تھی کہ کبھی دروازے کے سامنے کھڑے ہو کر اجازتِ داخلہ طلب نہیں فرماتے بلکہ دروازے کے دائیں یا بائیں جانب کھڑے ہو کر سلام کرتے اور پھر اندر آنے کی اجازت چاہتے۔

قسط : ۱

ندوۃ العلماء لکھنؤ انڈیا سے حضرت مولانا سیّد محمود حسن حسنی صاحب ندوی مدظلہم (نائب مدیر ماہنامہ تعمیر حیات) کی پاکستان آمد ہوئی، اس موقع پر ۲ رمئی کو جامعہ مدنیہ جدید رائیونڈ روڈ بھی تشریف لائے اپنی اس آمد پر جامعہ مدنیہ جدید کے اساتذہ کرام اور طلباء سے مفصل خطاب فرمایا۔ اُن کے قیمتی بیان کا متن قارئین کرام کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

اصلاحِ نیت اور دین کی دعوت

﴿ حضرت مولانا سید محمود حسن حسنی صاحب ندوی مدظلہم ﴾

بزرگانِ محترم بھائیو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اور آپ کو دین کی خدمت پر یہاں اکٹھا کیا، یہ اُس کا احسان اور انعام ہے ہم پر بھی اور آپ پر بھی۔ آپ ایسے علماء، اتقیاء سے بار بار نصیحتیں لے رہے ہیں۔ اِن سے ہمیں خود نصیحت لینی چاہیے اور استفادہ کرنا چاہیے۔ جب ہم یہاں پر آہی گئے تھے تو ہمیں یہ کرنا چاہیے تھا کہ اساتذہ اہل اللہ کی خدمت میں بیٹھتا، اُن کے دروس میں بیٹھ کر کے استفادہ علمی ورُوحانی کرتا۔ لیکن میں نہیں کہہ سکتا کہ میری بدنصیبی تھی اس لیے کہ مومن حقیقت میں بدنصیب نہیں ہوتا۔ مومن سعید ہوتا ہے شقی نہیں ہوتا۔ یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے لیکن بہرحال حرمان نصیبی تھی کہ میں حاضر نہیں ہوسکا اور اب مجھے ایک اور گستاخی کرنی پڑ رہی ہے کہ میں اِن حضرات کے سامنے اسٹیج پر بیٹھا ہوں اور یہ جرأت کررہا ہوں کہ اُن کے سامنے آپ کے سامنے کچھ باتیں عرض کروں۔

ہم اور آپ سب طالب علم ہیں۔ آپ بھی طالب علم ہیں ہم بھی طالب علم ہیں۔ آپ کے اساتذہ جو ہیں وہ بھی طالب علم ہیں۔ فرق یہ ہے کہ وہ طالب علم کے ساتھ معلم بھی ہیں۔ صحابہ کرامؓ ایسے ہی ہوا کرتے تھے۔ وہ بیک وقت متعلم بھی ہوتے تھے معلم بھی ہوتے تھے۔ ایک ہی وقت وہ سیکھ رہے ہوتے تھے اور سکھا رہے ہوتے تھے۔ صحابہ کرامؓ سے ہمیں یہی چیز ملتی ہے۔ حضور پاک ﷺ نے جس جماعت کی تربیت فرمائی اُس سے ہمیں یہی سبق ملتا ہے کہ ہمیں ہر وقت ہر زمانے میں طالب علم بھی رہنا ہے، معلم بھی رہنا ہے۔ ہمیں سیکھتے بھی رہنا ہے اور

سکھانے کا جذبہ بھی رکھنا ہے اور سکھانے کے لیے اور حق بات پہنچانے کے لیے صحیح بات دوسروں تک منتقل کرنے کے لیے سعی بلیغ سے کام لینا ہے۔ کوشش کرنی ہے مشقتیں اُٹھانی ہیں۔

آج دُنیا میں ظلمات پھیل رہی ہیں۔ ظلمات شرک کی بھی پھیل رہی ہیں، ظلمات کفر کی بھی پھیل رہی ہیں، ظلمات بے حیائی کی بھی پھیل رہی ہیں۔ ظلمات ظلم کی پھیل رہی ہیں، ظلمات طرح طرح کی پھیل رہی ہیں اور وہ ظلمات اب آرہی ہیں جن کا خود کسی نے تصور نہیں کیا ہوگا۔ لیکن آج ایسی ظلمات کا ہمیں سامنا ہے جو ہمارے پیشرو حضرات گزرے ہوئے لوگ سوچ بھی نہیں سکے ہوں گے اُن کے خواب وخیال میں بھی نہ گزرا ہوگا، ایسی ایسی ظلمات ایسے ایسے فتنے آئیں گے۔ ہمارے بعد آنے والے لوگوں کے سامنے، لیکن ساتھ میں اللہ تعالیٰ نے کتاب ہدایت ہمیں دی ہے ہمیں نور عطا فرمایا کتاب ہدایت کا، قرآن پاک کا، ہمیں نور عطا فرمایا ہے علم دین کا، شریعت کے علم کا، ہمیں نور عطا فرمایا ہے سنت کا، ہمیں نور عطا فرمایا ہے توحید کا۔ نور ایک ہے ظلمات ہزاروں اور لاکھوں لیکن آپ خود جانتے ہیں اندر اندھیرا ہو اندھیرا جتنا ہو لیکن آپ ایک بلب لگائیں گے سارا اندھیرا ختم ہوجائے گا۔ حقیقت یہ ہے کہ جتنی ظلمات آئیں بے حیائی کی ظلمات آئیں چاہے وہ سود کی ظلمات آئیں یا دوسرے حرام ومنکرات کی ظلمات آئیں، چاہے دوسری خبائث کی ظلمات آئیں یا تاریکیاں آئیں اندھیرے آئے لیکن آپ کو اللہ تعالیٰ نے جو نور عطا کیا ہے اُس نور کو آپ جلاتے رہیے۔ آپ اِس پر قناعت نہ کیجئے کہ آپ بلب کی روشنی ہی میں رہیں گے۔ آپ بلب بننے کی صلاحیت پیدا کیجئے کہ آپ بلب بن کر کے روشنی دوسروں کو دیں گے، آج ضرورت اِسی بات کی ہے۔ آج بلب کم پڑ رہے ہیں، آج راڈ کم پڑ رہے ہیں۔ آج ظلمات ہیں لیکن وہاں بلب نہیں جو اُن ظلمات کو ختم کریں۔ آج ہم بھی علم حاصل کرتے ہیں لیکن ہمارا علم نور سے خالی ہوتا ہے کیونکہ ہمارے علم کے حصول میں نہیں صحیح نیت نہیں ہوتی۔ آپ جایئے اپنے طلباء سے پوچھیئے تم کیوں پڑھ رہے ہو؟ وہ بتا نہیں پائیں گے کہ ہم کیوں پڑھ رہے ہیں۔ بہت بتادیں گے یہ کہہ دیں گے کہ ہم پڑھ رہے ہیں اس کے ذریعہ ہمیں اللہ کی منشاء معلوم ہوجائے۔ لیکن مومن کے شایان نشان صرف یہ بات نہیں ہے کہ قناعت پر قناعت کرلے۔ مومن اُس نبی کی اُمت میں ہے جس نبی کو تمام انسانوں کے لیے مبعوث کیا گیا ہے اور تا قیامت کے لیے مبعوث کیا گیا ہے۔ اور نبی آتے رہے جاتے رہے جو نبی آئے اُس کی نبوت زمانی طور پر محدود رہی، مکانی طور پر بھی محدود رہی، بڑے بڑے انبیاء آئے لیکن ہمارے نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی جو بعثت ہوئی ہے وہ لامحدود ہے

نہ زمانی طور پر محدود نہ مکانی طور پر محدود۔ نہ جگہ کے اعتبار سے محدود ہے، نہ وقت کے اعتبار سے محدود ہے۔ جب تک دُنیا ہے اُس وقت تک کے لیے آپ نبی ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں آسکتا جو بھی نبوت کا دعویٰ کرے گا وہ دجال ہے، وہ مکار ہے، وہ کذاب ہے، وہ جھوٹا ہے، وہ فریب میں ڈالنے والا ہے، وہ فتنے میں ڈالنے والا ہے، وہ شیاطین کے لشکر کا ایک فرد ہے اُس کو سمجھ لینا چاہیے۔

بڑے پتے کی بات کہی ہے حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اور ان ملفوظات کو نقل کیا حضرت مولانا مناظر حسن گیلانیؒ نے اور بعد میں حضرت علی میاںؒ نے بڑے پرزور طریقے سے یہ بات کہی ہے کہ اور انبیاء جو آئے اُن کی بعثت تنہا ہوتی رہی لیکن ہمارے پیارے نبی ﷺ کی جو بعثت ہوئی ہے وہ اُمت کے ساتھ ہوئی ہے، پوری اُمت آپ کے ساتھ مبعوث کی گئی ہے۔ اگر ہم اور آپ وہ کام نہیں کرتے جو رسول اللہ ﷺ کا کام تھا اور جس کے لیے رسول اللہ ﷺ مبعوث کیے گئے تو یاد رکھیے ہم اپنے کو اُمت سے خارج کر رہے ہیں۔ اُمت سے خارج کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ ہم کیسے آپ کی شفاعت کے حقدار ٹھہریں گے اور کیسے حوضِ کوثر پر حاضر ہوں گے۔ ہزاروں باتیں ہیں، کتنی محرومیاں ہمیں آڑے آسکتی ہیں۔ اس لیے ہمیں اپنی نیتوں کو صحیح رکھنا ہے۔ ہمیں اپنے مقاصد بڑے اُونچے رکھنے ہیں، ہمیں اپنے حوصلے بلند رکھنے ہیں۔ آپ جو ہیں ساری انسانیت کے لیے مبعوث ہوئے ہیں، چاہے حکمران ہوں چاہے فرمانرواں ہوں چاہے یورپ کے رہنے والے ہوں چاہے امریکہ کے رہنے والے ہوں چاہے جاپان کوریا اور چین کے رہنے والے لوگ ہوں چاہے دُنیا میں کسی خطہ پر رہنے والے لوگ ہوں ہمارے اندر یہ جذبہ ہونا چاہیے، یہ حوصلہ ہونا چاہیے کہ ہم اپنے پیارے نبی ﷺ کے طریقے کو اور اپنے اللہ تعالیٰ کی تعلیمات کو اور احکام کو قرآن کے احکام کو احادیث کی تعلیمات کو دُنیا کے ہر خطہ میں پہنچائیں گے انشاء اللہ تعالیٰ پوری انسانیت ہماری مخاطب ہے اور پوری انسانیت کی ہمیں فکر کرنی ہے۔

جب ہمارے اندر یہ جذبہ ہوگا اور یہ حوصلہ ہوگا تو اللہ کی مدد آئے گی۔ جیسی ہماری نیتیں ہوں گی ویسی اللہ کی مدد آئے گی۔ اگر ہم نے اپنے مقاصد محدود رکھے اگر ہم نے اپنے مقاصد مختصر رکھے اگر ہم نے اپنے مقاصد تھوڑے رکھے اگر ہم نے اپنے جذبات چھوٹے رکھے اگر ہم نے اپنی نیتیں کم رکھیں تو یاد رکھ لیجئے پھر ویسی ہی اللہ کی مدد ہوگی۔ نیتیں بہت اعلیٰ ہونی چاہئیں، نیتیں خوب خوب ہونی چاہئیں، نیتوں میں خوب خوب کثرت ہونی چاہیے جتنی نیتیں اعلیٰ کر سکتے ہیں کریں۔ (جاری ہے) ✿ ✿ ✿

گلدستۂ احادیث

﴿ حضرت مولانا نعیم الدین صاحب، مدرس جامعہ مدنیہ لاہور ﴾

۞ ۞ ۞

تین قسم کے لوگ جنہیں دیکھ کر اللہ تعالیٰ ہنستے ہیں :

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ ؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ : " ثَلٰثَۃٌ یَضْحَکُ اللّٰہُ اِلَیْھِمْ ، اَلرَّجُلُ اِذَا قَامَ بِاللَّیْلِ یُصَلِّیْ ، وَالْقَوْمُ اِذَا صَفُّوْا فِی الصَّلٰوۃِ ، وَالْقَوْمُ اِذَا صَفُّوْا فِیْ قِتَالِ الْعَدُوِّ ". (شرح السنة بحواله مشکوٰۃ ص ۱۰۹)

حضرت ابوسعید خدری ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا : تین (قسم کے) لوگ ایسے ہیں جن کی طرف (دیکھ کر) اللہ تعالیٰ ہنستے ہیں: (اول) وہ شخص جو رات کو تہجد کی نماز پڑھنے کھڑا ہوتا ہے، (دوسرے) وہ لوگ جو نماز پڑھنے کے لیے اپنی صفوں کو دُرست کرتے ہیں، (تیسرے) وہ لوگ جو دُشمن سے لڑنے کے لیے صف بندی کرتے ہیں۔

ف : حدیث پاک میں اللہ تعالیٰ کے ہنسنے کا ذکر آیا ہے اِس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اِن لوگوں سے بے حد خوش ہوتے ہیں اور اِن پر نظرِ کرم فرماتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ ؓ کو تین باتوں کی وصیت :

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ ؓ قَالَ " اَوْصَانِیْ خَلِیْلِیْ صَلَّی اللّٰہ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِثَلٰثٍ، صِیَامِ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ مِنْ کُلِّ شَھْرٍ، وَرَکْعَتَیِ الضُّحٰی، وَاَنْ اُوْتِرَ قَبْلَ اَنْ اَنَامَ ". (بخاری ج ۱ ص ۲۶۶. مسلم ج ۱ ص ۲۵۰. مشکوۃ ص ۱۱۱)

حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ میرے خلیل (حضرت محمد ﷺ) نے مجھے تین باتوں کی وصیت فرمائی تھی: (ایک تو) ہر مہینہ میں تین روزے رکھنے کی، (دوسرے) دو رکعتیں ضحیٰ کی پڑھنے کی، (تیسرے) اِس بات کی کہ میں سونے سے پہلے وتر پڑھ لیا کروں۔

ف : اِس حدیث پاک کی روشنی میں اگر ممکن ہو تو ہر مہینے کی تیرہ، چودہ، پندرہ تاریخ کا روزہ رکھ لیا جائے۔ اِن ایام کو ''اَیَّامِ بِیْضْ'' کہتے ہیں۔ اگر اِن ایام میں موقع نہ ہو تو مہینے میں جب بھی اور جس طرح بھی موقع ہو تین روزے رکھ لیے جائیں۔

ضحیٰ کی دو رکعتوں سے مراد اشراق کے نوافل بھی ہو سکتے ہیں اور چاشت کے بھی۔ احادیث مبارکہ میں اِن کی بڑی فضیلت آئی ہے۔ اشراق کا وقت سورج نکلنے کے پندرہ بیس منٹ بعد ہو جاتا ہے اور چاشت کا وقت اُس وقت ہوتا ہے جب سورج اچھی طرح نکل آئے اور اُس پر نگاہ نہ جم سکے۔

وتر کی نماز شروع رات میں عشاء کے ساتھ بھی پڑھی جا سکتی ہے اور اخیر شب میں تہجد کے بعد بھی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو جو سونے سے پہلے وتر پڑھ لینے کی وصیت کی گئی ممکن ہے اِس کی یہ وجہ ہو کہ آپ علمی مشاغل کی وجہ سے دیر سے سوتے ہوں اور صبح اُٹھنا مشکل ہوتا ہو۔ ایسی صورت میں وتر پڑھ کر ہی سونا بہتر ہے تا کہ قضاء نہ ہوں۔

بقیہ : حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے مناقب

مگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ثواب میں حضرت فاطمہؓ سے بڑھ گئے گو اِس خاص خوبی میں وہ حضرت فاطمہؓ سے کم ہیں لیکن اپنے اعمالِ صالحہ کے کمال سے ثواب اُن کا زیادہ ہوگا اور بعد تمام انبیاءؑ کے سب مرد و عورتوں سے افضل ہیں اور حضرت فاطمہؓ تمام عورتوں سے بھی افضل ہیں۔ خوب سمجھ لو اور جان لو کہ کسی کو نسب یا کسی اور برائی پر لعن طعن کرنا روا نہیں، کیا خبر ہے خدائے تعالیٰ کے نزدیک وہ شخص افضل ہو جس کو حقیر شمار کرتے ہو بلکہ جس قدر نعمتیں حاصل ہوں اُس پر شکر کرو اور تواضع اور عاجزی اختیار کرو، سب خدا کے بندے ہیں۔ اگر وہ تم کو حقیر و ذلیل اور حقیر کو باعزت کر دیتا تو تمہیں کب گوارا ہوتا کہ تم کو کوئی برا کہے، اِسی طرح دوسروں کو سمجھو اور اِس فضیلتِ نسبت میں حضور ﷺ کی طرف تمام اولاد حضرت فاطمہؓ کی شریک ہے جو قیامت تک ہوگی جیسا کہ اصل حدیث میں لفظ عام ہے گو شرح کی حدیث میں حضرت امام حسنؓ و حضرت امام حسینؓ کا خاص نام مبارک مذکور ہے اور قاعدۂ عُرفیہ بھی عموم کا مقتضی ہے خوب سمجھ لو۔ (جاری ہے)

غازی عامر چیمہ شہیدؒ کے والد پروفیسر نذیر چیمہ کا انوارِ مدینہ کے لیے خصوصی انٹرویو

﴿ محمد آصف جالندھری، متعلم جامعہ مدنیہ جدید ﴾

یوں تو چہرہ پر نگاہ پڑتے ہی پاؤں جم گئے تھے کیونکہ ایسے چہرے کئی بار زندگی میں دیکھنے کو ملے، وہی علامات ماتھے پہ دکھائی دیں جو اکثر شہداء کے والدین سے ملاقات کے وقت دیکھنے میں آئی ہیں۔ تقریباً بیسیوں شہداء کے والدین سے ملاقات کر چکا ہوں گفتگو کر چکا ہوں اندازِ گفتگو دیکھ چکا ہوں لیکن کبھی بھی ایسا نہیں ہوا تھا کہ شہید کا والد ہو یا والدہ، بھائی ہو یا بہن، کم از کم اور کچھ نہیں تو خاموشی کے ساتھ تراشے ہوئے ہیرے کی طرح آنسوؤں کی لڑیاں تو ضرور بہاتے ہوئے نظر آئے ہیں۔ دُنیا جانتی ہے کہ جواں مرگ لختِ جگر کی جدائی کے وقت بڑے بڑے اشجع بہادر باپ بھی دیمک زدہ درختوں کی طرح زمین پر گر پڑتے ہیں لیکن آج دستورِ زمانہ بدلہ بدلہ دکھائی دے رہا تھا۔ ایسے موقعوں پر لوگ تو ضرور آتے ہیں اور ملاقات کے وقت شہداء کے اعزاء واقارب سے شہید کے لیے بلندی درجات اور اُس کے واسطہ سے اپنی مغفرت بھی ضرور طلب کرتے ہیں لیکن آج ہر آنے والا مسلمان اس ضعیف العمر پروفیسر نذیر چیمہ صاحب سے بغل گیر ہو رہا تھا اور ''مبارک ہو چیمہ صاحب، مبارک ہو چیمہ صاحب'' کا جملہ ہی بار بار سنائی دے رہا تھا۔ پھر رشتہ دار کہہ رہے تھے پروفیسر صاحب بیٹھ جاؤ تھک جاؤ گے۔ بیٹھ کر مصافحہ کر لو، کچھ کہہ رہے تھے کرسی لے آئیں لیکن پروفیسر صاحب کے اندازِ ملاقات کو دیکھ کر اور چہرہ کی مسکراہٹ دیکھ کر لوگ بھی مسلسل بغل گیر ہو رہے تھے۔ میں اِس انتظار میں تھا کہ کب لوگوں کا اژدہام ختم ہو اور کچھ سوالات کروں۔ کافی وقت گزر گیا بالآخر لوگوں کا اژدہام تو ختم نہ ہوا لہٰذا ہم کچھ ساتھیوں نے مل کر دروازہ لاک کر دیا اور پروفیسر صاحب کو پکڑ کر بٹھا دیا اور بولا کہ بزرگو! بیٹھ جاؤ تھک جاؤ گے تھوڑی دیر آرام فرما لو، اصل میں تو ہم نے کچھ سوالات کرنے تھے۔ سوچا کہ ویسے تو نہیں چلو اِسی بہانہ سے سہی۔

پروفیسر صاحب بیٹھ گئے۔ ہم نے دبانا شروع کر دیا۔ اب میں اور میرے ساتھی مسلسل اِس ساٹھ سالہ

بوڑھے کے چہرہ کی طرف دیکھ رہے تھے۔ چہرہ پر وہی نشان تھا جو اکثر ساجدین کے چہروں پر سجدہ کرنے کی وجہ سے پڑا ہوتا ہے۔ مونچھیں مونڈھی ہوئیں، داڑھی کی سنتِ مبارکہ چہرہ پہ سجائے ہوئے، سر پہ ٹوپی پہنے ہوئے، سفید پوش بابا اپنے چھوٹے بھائی عصمت اللہ سے یوں گویا ہوئے ''عصمت اللہ کوئی بات نہیں ہمارا انصاف خدا کرے گا''۔ یہ جملہ دونوں بھائیوں کی ماقبل گفتگو کا حصہ تھا جو میں نہ سمجھ سکا۔ جملہ سن کر مجھ سے خاموش نہ رہا گیا، میں نے پوچھا بزرگو! کیا پریشانی ہے میرے استفسار پر بتایا کہ ہمیں کئی روز تک انتظامیہ کی طرف سے ہراساں کیا گیا۔

سوال : آپ کو شہادت کی خبر کس نے دی تھی؟

جواب : گھڑی اعوان میں عامر شہیدؒ کی بہن کو اُس کی کزن نے برلن سے بذریعہ ٹیلی فون خبر دی جو بعد میں بیٹیوں کے ذریعے مجھ تک پہنچی۔

سوال : اتنی بڑی خبر حکمرانوں میں سے آپ کو دینے کوئی نہیں آیا؟

جواب : حکمران تو ہمیں اُن دِنوں میں نہ جانے کس کے اشارہ پر مسلسل ہراساں کر رہے تھے اُن کے پاس دباؤ میں لانے کے علاوہ اور کوئی کام نہ تھا۔

سوال : عامر شہید کی میت کیسے پہنچی؟

جواب : لاہور سے بذریعہ وزیر اعلیٰ کے ہیلی کاپٹر میں گوجرانوالہ کینٹ پہنچی پھر وہاں سے سارو کی میں گاڑی کے ذریعے آئی۔

سوال : سنا ہے کہ بھائی عامرؒ کے جنازہ پڑھانے کے وقت مختلف مکتبہ فکر کے علماء کوشش کرتے رہے اور یہ نوبت سنا ہے کہ جھگڑے کی صورت بھی اختیار کر رہی تھی؟

جواب : جی ہاں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ عامر شہیدؒ عشق رسول پر فدا ہوا ہے اِسی وجہ سے ہر ایک کی کوشش تھی کہ یہ سعادت ہم کو ملے لہٰذا میں نے سوچا کہ عامر تو اب اُمت مسلمہ کا ثانی غازی علم الدین ہے لہٰذا یہ اختلاف تب ہی ختم ہوسکتا ہے کہ کوئی غیر جانبدار جنازہ پڑھائے لہٰذا میں نے خود ہی جنازہ پڑھایا۔

سوال : عامر شہیدؒ کے بارے میں آپ نے کوئی خواب دیکھا ہو؟

جواب : ہم نے خواب تو نہیں دیکھا لیکن عامر کے اُستاذ یحییٰ علوی صاحب نے خواب دیکھا ہے جو گورنمنٹ جامعہ اسکول فار بوائز راولپنڈی کے اُستاذ ہیں کافی دیر تک اسلامیات پڑھاتے رہے ہیں۔ وہ فرماتے

ہیں کہ عامر شہیدؒ کا استقبال آقا ﷺ نے بذات خود کیا ہے۔ بہت لمبا خواب ہے جو میں مختلف صحافیوں کو سنا چکا ہوں۔

سوال : آپ اُمتِ مسلمہ کو کوئی پیغام دینا چاہیں گے؟

جواب : میرا پیغام اور میری اہلیہ جو کہ فالج کی مریضہ ہیں صرف ایک ہی ہے کہ اُمت کے جوان جب بھی کسی شاتم رسول ﷺ کو دیکھیں تو عامر شہیدؒ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ضرور وار کریں تا کہ مغرب کو پتا چلے کہ ہماری دینی حمیت ابھی زندہ ہے۔

سوال : کیا اب بھی حکومت کی طرف سے کچھ دباؤ ہے؟

جواب : ابھی حکومت کو ہراساں کرنے اور دباؤ میں لانے کی کیا ضرورت ہے۔ حکومت نے اپنی بات منوالی ہے عامر کو اُدھر گوجرانوالہ میں دفن کر دیا ہے۔

میں نے کہا چلو کوئی بات نہیں وہاں پر بھی تو سنا ہے اُس کے چچا منظور رہتے ہیں اور ساتھ ہی گاؤں میں آپ کی دو بیٹیاں گھڑی اعوان میں رہتی ہیں چلو بہنیں اپنے اکلوتے شہید بھائی کی قبر پر آجایا کریں گی اور بھائی عامر کا آبائی علاقہ بھی تو یہی ہے۔ میری بات کو کاٹتے ہوئے بھائی عامر شہیدؒ کے چچا منظور بولے بیٹا میری بھتیجوں کو زبردستی راولپنڈی سے یہاں لایا گیا اور اُن کو بھی ہراساں کیا گیا۔ یہ مسلم ملک ہے کہ ایک شاتم رسول پر وار کرنے والے ثانی غازی علم الدین کے بوڑھے والدین اور بہنوں سے یہ سلوک کیا جا رہا ہے۔ اب اس کا جواب میرے پاس سوائے خاموشی کے کچھ نہیں تھا، کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد میں نے کہا بزرگو! کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں۔ بولے پوچھو بیٹا کیا پوچھنا چاہتے ہو۔

سوال : چچا جان آپ کتنے بھائی ہیں؟

جواب : ہم کل پانچ بھائی ہیں: بشیر چیمہ، منظور چیمہ، اقبال چیمہ (مرحوم) عصمت اللہ چیمہ اور میں۔ ہمارا ایک بھائی اقبال فوت ہو چکا ہے۔

سوال : آپ کے بیٹے اور بیٹیاں کتنی ہیں؟

جواب : میری تین بیٹیاں اور ایک بیٹا عامر شہیدؒ تھے جو اَب میرا ہی نہیں بلکہ پوری اُمت مسلمہ کا فرزند بن چکا ہے۔

سوال : بھائی عامر شہیدؒ کی ولادت کب ہوئی اور کہاں ہوئی اور کل عمر کتنی تھی؟

جواب : عامر شہیدؒ کی ولادت 4 دسمبر 1977ء کو گھڑی اعوان میں اُس کے ننھیال میں ہوئی تھی اور میرے بیٹے نے 28 سال عمر پائی۔

سوال : بھائی عامر شہیدؒ نے پاکستان میں کہاں کہاں تعلیم حاصل کی اور جرمن کب گئے؟

جواب : عامر شہیدؒ نے 1995ء میں راولپنڈی سرسید کالج سے ایف ایس سی مکمل کی، پھر بی ایس سی کے لیے نیشنل کالج اینڈ ٹکسٹائل انجینئرنگ فیصل آباد چلے گئے وہاں بی ایس سی اعلیٰ نمبروں میں کی۔ بی ایس سی کرنے کے بعد اُس کا اِرادہ ہوا کہ میں یونیورسٹی آف مینجمنٹ ٹیکسٹائل لاہور میں لیکچرار لگوں لہٰذا اُس کے لیے پی ایچ ڈی ضرور تھی لہٰذا ماسٹرز کے لیے 2004ء میں جرمنی چلے گئے۔

سوال : بھائی عامر شہیدؒ کو لیکچرار لگنے کا شوق کس نے دلایا تھا؟

جواب : یہ شوق عامر شہیدؒ کو خود ہی پیدا ہوا تھا۔ آپ کو یاد ہوگا کہ کچھ عرصہ پہلے رسول اللہ ﷺ اور اَزواج مطہرات اور صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے اسماء مبارک کپڑوں پر ڈیزائن کیے گئے جس کو عام سادہ مسلمان نہیں پہچان سکتا تھا وہ اِس کا خاتمہ چاہتے تھے اور اِسی وجہ سے اُن کو لیکچرار بننے کا شوق تھا۔

سوال : بھائی عامر شہیدؒ نے پی ایچ ڈی کے لیے جرمن کے کون سے شہر اور یونیورسٹی میں داخلہ لیا؟

جواب : عامر شہیدؒ نے جرمن کے شہر گلاڈباخ میں قائم یندرھن یونیورسٹی آف اپلائیڈ سائنسز مانشین میں داخلہ لیا۔

سوال : کیا بھائی عامر شہیدؒ کی طبعیت کے بارے میں بتلانا چاہیں گے کہ اُن کی طبیعت کیسی تھی؟

جواب : عامر شہیدؒ کی طبیعت بہت جذباتی تھی۔ میں تو اکثر اُس کی عافیت کی دُعا مانگا کرتا تھا خصوصاً آقا ﷺ کے خلاف جب سے خاکے شائع ہوئے۔ لیکن اُس نے اپنا کام شاتم رسول ﷺ کے خلاف خاکے شائع کرنے والے روزنامہ ''ڈائیولٹ'' کے ایڈیٹر ''ہیزک بروڈ'' پر حملہ کر کے کر ہی دیا۔

سوال : آپ کو عامر شہیدؒ کی اِس کارروائی کی اطلاع کب ہوئی؟

جواب : عامر شہیدؒ کی گرفتاری کی اطلاع ۸/اپریل کو برلن میں رہنے والی اُس کی کزن نے دی کہ عامر ۲۰/مارچ سے گرفتار ہے۔

سوال : بھائی عامر کو تو سننے میں آیا ہے کہ ۳ رمئی کو شہید کیا گیا۔ گرفتاری سے شہادت تک تقریباً ڈیڑھ ماہ بنتا ہے، آپ نے اتنے عرصہ میں کیا کوئی کوشش وغیرہ کی ہو اور حکمرانوں نے آپ سے کوئی وعدہ کیا ہو یا تعاون کیا ہو؟

جواب : عامر شہیدؒ کی کزن نے وہاں وکیل کیا تھا۔ اُس وکیل نے ۲ رمئی کو عامر سے ملاقات بھی کی تھی اور کچھ سامان کپڑے ٹوتھ پیسٹ وغیرہ بھی عامر کے حوالہ کیے تھے۔ ہمیں اُمید تھی کہ زیادہ سے زیادہ عامر کو ڈی پورٹ کر دیا جائے گا کیونکہ چالیس دن بعد بھی برلن پولیس جرمن کی عدالت میں چالان پیش نہ کر سکی اور نہ ہی کارروائی شروع ہوئی اور میں نے ذاتی طور پہ سیاستدانوں میں سے پاکستان کی قومی اسمبلی کے رُکن ڈاکٹر فرید پراچہ سے گفتگو کی۔ انہوں نے پاکستان کے برلن میں واقع سفارت خانے کے فرسٹ سیکرٹری خالد عثمان سے بات کی تو پتا چلا کہ واقعی عامر زیرِ تفتیش ہے۔

آخر میں اِن کے بھائی چچا منظور صاحب نے مجھ سے سوال کیا کہ بیٹا عامر نام کا کوئی جوان پہلے بھی اُمت میں گزرا ہے جس نے حبِ رسول ﷺ کی خاطر قربانی دی ہو؟ میں نے کہا جی بزرگو! عامر بن جراحؓ جو اس اُمت کے امین ابوعبیدہ بن جراحؓ کے نام سے مشہور ہوئے۔ انہوں نے بھی غزوہ اُحد کے موقع پر جب آقا کے رُخساروں پہ خود کی کڑیاں چبھ گئی تھیں نکالی تو اپنے دونوں دانت شہید کروا دیے تھے۔

لوگ دروازہ کھٹکھٹا رہے تھے ہم نے اجازت چاہی اور عامر شہیدؒ کے والد کو مبارکباد دی اور واپس چل دیے۔

قارئین انوارِ مدینہ کی خدمت میں اپیل

ماہنامہ انوارِ مدینہ کے ممبر حضرات جن کو مستقل طور پر رسالہ ارسال کیا جا رہا ہے لیکن عرصہ سے اُن کے واجبات موصول نہیں ہوئے اُن کی خدمت میں گزارش ہے کہ انوارِ مدینہ ایک دینی رسالہ ہے جو ایک دینی ادارہ سے وابستہ ہے اس کا فائدہ طرفین کا فائدہ ہے اور اس کا نقصان طرفین کا نقصان ہے اس لیے آپ سے گزارش ہے کہ اس رسالہ کی سرپرستی فرماتے ہوئے اپنا چندہ بھی ارسال فرما دیں اور دیگر احباب کو بھی اس کی خریداری کی طرف متوجہ فرمائیں تاکہ جہاں اس سے ادارہ کو فائدہ ہو وہاں آپ کے لیے بھی صدقہ جاریہ بن سکے۔ (ادارہ)

سفرنامہ ''اسیرِ مالٹا حضرت مولانا عزیز گلؒ کانفرنس''

﴿ محمد سلطان معاویہ، متعلم جامعہ مدنیہ جدید ﴾

۲۰/اپریل کی دوپہر حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب کی معیت میں بھائی محمد اقبال، بھائی انعام اللہ اور راقم سلطان معاویہ ۲۳/اپریل کو شیر گڑھ میں اسیر مالٹا حضرت مولانا عزیز گلؒ کانفرنس میں شرکت کی غرض سے روانہ ہوئے۔ سفر کے پہلے مرحلے میں پشاور جانا ہوا، بعد عشاء حیات آباد میں جناب خالد خان صاحب کی رہائشگاہ پہنچے جہاں پہلے سے جناب حاجی امان اللہ خان صاحب مدظلہ بھی لکی مروت سے تشریف لائے ہوئے تھے۔ عشاء کی نماز کے بعد کچھ دیر حال احوال دریافت ہوئے بعد ازاں دس بجے کھانا تناول کیا پھر آرام کیا۔

جمعہ کی صبح فجر کی نماز جامع مسجد تکبیر میں ادا کی۔ وہاں کے امام اور خطیب حضرت مولانا مفتی ذاکر حسن صاحب نے حضرت سے ملاقات کی۔ حضرت کو مفتی صاحب نے جمعہ پڑھانے کی پرزور دعوت دی۔ حضرت نے جمعہ پڑھایا۔ جمعہ کے بعد اُسی مسجد کے صدر صاحب نے بعد عشاء دوبارہ بیان کرنے پر اصرار کیا لہٰذا عشاء کی نماز کے بعد فتنہ دجال کے موضوع پر بیان ہوا۔ بعد ازاں بھائی خالد صاحب کی قیام گاہ پر حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب کے معالج محترم ڈاکٹر ارشد تقویم صاحب کا کاخیل حضرت سے ملاقات کے لیے تشریف لائے۔

ہفتہ کے روز دوپہر کے وقت ایک عزیزہ کی عیادت کے لیے شیر پاؤ ہسپتال کچھ دیر کے لیے گئے۔ بعد ازاں حضرت مولانا عبدالدیان صاحب مدظلہم کی عیادت کے لیے اُن کی قیام گاہ جانا ہوا۔ حضرت مولانا کے اصرار پر دوپہر کا کھانا انہی کے ہاں تناول کیا۔ رات کے کھانے پر جناب الحاج امان اللہ خان صاحب مدظلہم کے صاحبزادہ جناب محمود خان صاحب نے مدعو کیا۔ اِس موقع پر مولانا مفتی ذاکر حسن صاحب، بھائی حمید نواز اور دیگر بہت سے احباب مدعو تھے۔ رات حسب معمول بھائی خالد صاحب کے گھر قیام کیا۔

اگلے روز اتوار کی صبح ناشتہ سے فراغت کے بعد براستہ چارسدہ سخاکوٹ کے لیے روانہ ہوئے۔ سخاکوٹ سے کچھ دیر بعد ہم جلسہ گاہ کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں حضرت مولانا عزیز گل صاحبؒ کے مزار پر حاضری دی۔ جلسہ سے فراغت کے بعد جامعہ مدنیہ جدید کے درجہ رابعہ کے طالب علم بھائی امین الرحمٰن (باقی صفحہ ۶۴)

دینی مسائل

﴿ عیدین کی نماز کا بیان ﴾

مسئلہ : شوال کے مہینے کی پہلی تاریخ کو ''عید الفطر'' اور ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو ''عید الاضحیٰ'' کہتے ہیں۔ یہ دونوں دن اسلام میں عید اور خوشی کے دن ہیں اور دونوں میں دو دو رکعت نماز بطورِ شکریہ کے پڑھنا واجب ہے۔ جمعہ کی نماز کی صحت و وجوب کے لیے جو شرائط ذکر ہو چکے ہیں وہی سب عیدین کی نماز میں بھی ہیں، سوائے خطبہ کے کہ جمعہ کی نماز میں خطبہ فرض اور شرط ہے اور نماز سے پہلے پڑھا جاتا ہے اور عیدین کی نماز میں شرط یعنی فرض نہیں سنت مؤکدہ ہے اور بعد میں پڑھا جاتا ہے۔ مگر عیدین کے خطبہ کا سننا بھی مثل جمعہ کے خطبہ کے واجب ہے یعنی اس وقت بولنا چالنا نماز پڑھنا سب حرام ہے۔

عید کے دن مسنون چیزیں :

1- شرع کے موافق اپنی آرائش کرنا۔

2- غسل کرنا۔

3- نماز کے لیے نکلنے سے قبل مسواک کرنا اگرچہ کچھ دیر پہلے وضو کے ساتھ مسواک کر لی ہو۔ یہ اُس کے لیے ہے جس کے مسواک سے خون نکلنے کا خطرہ نہ ہو۔

4- عمدہ سے عمدہ کپڑے جو پاس موجود ہوں پہننا۔

5- خوشبو لگانا۔

6- صبح کو بہت سویرے اُٹھنا۔

7- اگر نماز صرف عیدگاہ میں ہوتی ہو تو عیدگاہ میں جا کر عید کی نماز پڑھنا یعنی شہر کی مسجد میں بلا عذر نہ پڑھنا۔

8- جس راستہ سے جانا اُس کے سوا دوسرے راستے سے واپس آنا۔

9- پیدل جانا۔

10- راستہ میں اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ کہتے

جانا لیکن عیدالفطر میں آہستہ آواز سے پڑھنا اور عیدالاضحیٰ میں بلند آواز سے پڑھنا مسنون ہے۔

11- عیدالفطر میں نمازِ عید کے لیے جانے سے پہلے کوئی میٹھی چیز کھانا۔ کھجور یا چھوارے طاق عدد میں کھانا افضل ہے ورنہ جو میٹھی چیز مل جائے۔ عیدالاضحیٰ میں عید کی نماز تک کچھ نہ کھائے اگرچہ قربانی نہ بھی کرنی ہو لیکن اگر کچھ کھالیا تو مکروہ نہیں۔ قربانی کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ وہ اُس روز سب سے پہلے اپنی قربانی کا گوشت کھائے۔

12- عیدالفطر کی نماز دیر کر کے پڑھنا مسنون ہے اور نماز سے پہلے صدقہ فطر ادا کر دے اور عیدالاضحیٰ کی نماز سویرے پڑھنا مسنون ہے۔

تنبیہ : رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مدینہ منورہ کی تین جوانب کھجور کے درخت اور عمارتیں تھیں جن کی وجہ سے شہر کی حفاظت ہوتی تھی اور ایک جانب کھلی تھی۔ اِس ایک جانب غزوہ خندق (احزاب) میں خندق کھودی گئی تھی۔ مسجد نبوی اور عیدگاہ کے درمیان پانچ سو انگریزی گز کا فاصلہ تھا۔ مدینہ منورہ کی شہر پناہ یعنی دیوار جو رسول اللہ ﷺ کے بعد بنی عیدگاہ اُس شہر پناہ کے باہر تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ ﷺ کے دور میں عیدگاہ آبادی کے مکانات سے باہر تھی۔

مسئلہ : شہر کے اندر جو کھلے میدان ہوں اُن میں نمازِ عید ادا تو ہو جائے گی مگر اصل سنت ادا نہ ہوگی۔

مسئلہ : عیدگاہ جو پہلے آبادی سے باہر ہو پھر آبادی کے بڑھنے سے آبادی کے اندر آجائے تو صحراء یعنی آبادی سے باہر عید پڑھنے کی اصلی سنت ادا نہ ہوگی البتہ عید کی نماز ادا ہو جائے گی۔

مسئلہ : آبادی بہت بڑھ جائے اور کسی ایک جگہ شہر کی آبادی کا جمع ہونا تقریباً محال ہو تو اظہارِ شوکت کے لیے آبادی سے باہر شہر کے مختلف حصوں کے لیے عید کی نماز کا اہتمام کیا جاسکتا ہے مثلاً دو چار یا آٹھ مقامات پر۔ بہرحال یہ افضل ہے واجب نہیں۔ (جاری ہے)

اخبار الجامعہ

﴿ جامعہ مدنیہ جدید محمد آباد رائیونڈ روڈ لاہور ﴾

۲ رمئی کو حضرت مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی نائب مدیر تعمیر حیات ندوۃ العلماء لکھنؤ انڈیا اپنے رفیق مولانا محمد فیضان نگرامی ندوی معاون لائبریرین شبلی نعمانی لائبریری ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ہمراہ جامعہ مدنیہ جدید تشریف لائے اور دوپہر کا کھانا تناول فرمایا اور جامعہ مدنیہ جدید میں طلباء سے اپنے اکابر کی خدمات پر روشنی ڈالتے ہوئے خطاب فرمایا۔

۴ رمئی کو حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب قاری شریف احمد صاحب مدظلہم کی تیمارداری کے لیے کراچی تشریف لے گئے۔ جناب محترم شیخ الرئیس صاحب کی بھی تیمارداری کی۔ کراچی میں جناب سیف الاسلام صاحب وشعیب صاحب اور دیگر احباب سے ملاقات ہوئی۔

جناب حافظ تنویر احمد صاحب شریفی کے اصرار پر سٹی اسٹیشن کراچی کی مسجد میں شب جمعہ بعد عشاء درس حدیث ہوا، اس کے بعد مجلس ذکر ہوئی۔ اگلے دن اِسی مسجد میں مولانا سید محمود میاں صاحب نے جُمعہ کا خطبہ دیا اور ''اِسلام طاقت یا تلوار کے زور پر نہیں پھیلا بلکہ اپنی فطری کشش کی وجہ سے لوگوں کے دِلوں میں اپنا مقام پیدا کیا'' کے موضوع پر بیان فرمایا۔ اتوار کی شب جناب فہیم الدین صاحب کی قیام گاہ پر رات کا کھانا تناول فرمایا۔ ۷ رمئی کو بخیریت لاہور واپسی ہوئی اور بعد مغرب خانقاہِ حامدیہ رائیونڈ روڈ میں ہفتہ وار درس حدیث اور مجلس ذکر ہوئی۔

۸ رمئی کو ایک اہم وفد کی جامعہ مدنیہ جدید آمد ہوئی اور وفد نے حضرت مہتمم صاحب سے ملاقات کی۔

۱۰ رمئی کو حضرت مولانا سید محمود میاں صاحب مدرسہ تعلیم القرآن کھڈیاں ضلع قصور میں قاری محمد طاہر صاحب کی خصوصی دعوت پر بیان کے لیے تشریف لے گئے۔ رات ایک بجے بخیریت واپسی ہوئی۔

جامعہ مدنیہ جدید کا جہازی سائبان طوفان سے تباہ

۲۲ رمئی کی شام لاہور میں مغرب سے پہلے شدید طوفان آیا جس کی وجہ سے جامعہ مدنیہ جدید میں ایک ماہ قبل چار لاکھ روپے کی خطیر رقم سے تعمیر ہونے والا فائبر گلاس کا (جہازی سائز کا) سائبان پلروں سمیت اُکھڑ کر

ملحقہ مکانات کی چھت پر جا گرا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ. خدا کا شکر ہے کہ کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ البتہ 60×100 کے وسیع وعریض سائبان کی تباہی سے بہت بڑا مالی نقصان ہوگیا۔ اس کے سائے میں چار سو طلباء بیک وقت بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ اس کی تباہی کی وجہ سے پہلے کی طرح پھر طلباء کو دھوپ، بارش اور سردی میں کھلے آسمان تلے کھانا کھانا پڑ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہونے والے اِس نقصان کی تلافی فرمائے۔ آمین۔

۞ ۞ ۞

بقیہ : سفرنامہ ''اسیرِ مالٹا حضرت مولانا عزیز گل ؒ کانفرنس''

کے شدید اصرار پر اُن کے گھر تخت بھائی جانا ہوا۔ وہاں ہی مغرب اور عشاء کی نماز ادا کی اور رات کا کھانا کھایا۔ بعد ازاں سخاکوٹ تقریباً رات 10-30 واپسی ہوئی۔ پیر کے دن ایک بجے اسلام آباد کے لیے روانہ ہوئے اور وہاں سے ''مری'' میں جناب حاجی شعیب صاحب کی قیام گاہ پہنچے اور ایک دن قبل ان کے صاحبزادے مولانا محمد قاسم صاحب کی ہونے والی شادی کی مبارکباد دی۔ رات کا قیام حاجی صاحب کے یہاں ہوا۔ منگل کی صبح ناشتہ کے بعد واپس اسلام آباد جناب محمد یوسف صاحب کاکاخیل کے یہاں آئے۔ وہاں پر کچھ دیر ٹھیرنے کے بعد ہم بذریعہ موٹروے لاہور کے لیے روانہ ہوئے اور رات سوا تین بجے بخیریت لاہور پہنچے۔

جامعہ مدنیہ جدید کے فوری توجہ طلب ترجیحی اُمور

(۱) مسجد حامد کی تکمیل

(۲) طلباء کے لیے دارالاقامہ (ہوسٹل) اور درسگاہیں

(۳) کتب خانہ اور کتابیں

(۴) پانی کی ٹنکی

ثواب جاریہ کے لیے سبقت لینے والوں کے لیے زیادہ اجر ہے (ادارہ)